WWW.PAKISTANIPOINT.COM
PP
پاکستانی پوائنٹ

بچوں کا پسندیدہ رسالہ

ماہنامہ

ساتھی

کراچی

جنوری ۲۰۱۸ء

سردی سے مت چھپ کر بیٹھو
گھر کو چھوڑو باہر آؤ
دیکھو یہ خرگوش بھی خوش ہے
تم بھی خوش ہو مزے اڑاؤ

عبدالرحمٰن مومنؔ

مسعود احمد برکاتی

إنا لله وإنا إليه راجعون

لوگ وہی یاد رکھے جاتے ہیں جو خود کو وقف کر دیتے ہیں۔ خود کو کسی مقصد میں کھپا دیتے ہیں۔ آپ دنیا کے کسی بھی بڑے نام کو لے لیجیے وہ اپنے چنے ہوئے میدان کا باکمال کھلاڑی ہوگا۔ وہ اپنی فیلڈ میں اپنی ساری زندگی تج دیتے ہیں۔ وہ آگے بڑھتے ہیں اور پیچھے مڑ کر نہیں دیکھتے کہ کہیں چند لمحے ضائع نہ ہو جائیں۔ انھیں ناموں میں ہمیں مسعود برکاتی کا نام نظر آتا ہے۔ انھوں نے بچوں کے لیے اپنی زندگی کے ماہ و سال وقف کر دیے۔ مسعود احمد برکاتی طویل عرصے سے علیل تھے۔ آپ عارضہ قلب میں بھی مبتلا تھے۔ 85 سال کی عمر میں پاکستان کے نامور ادیب، محقق، مترجم اور حکیم محمد سعید کے ساتھی مسعود احمد برکاتی کراچی میں انتقال کر گئے۔ آپ کو سخی حسن قبرستان کراچی میں سپرد خاک کیا گیا

ماہ نامہ ساتھی کے اشتراک سے ادارہ مطبوعات طلبہ کراچی کی نئی پیش کش

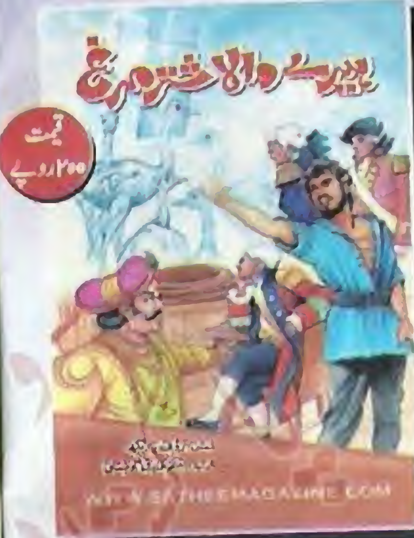

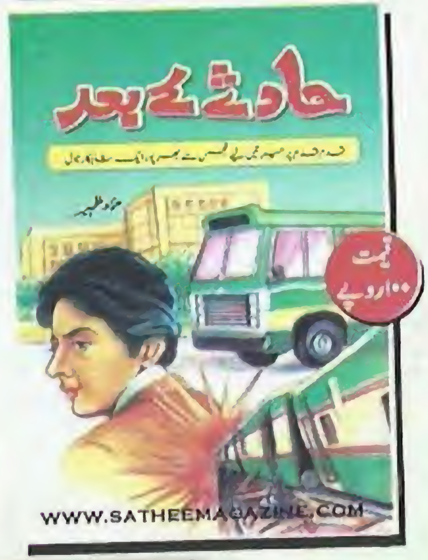

F-105، سلیم ایونیو، بلاک B-13، گلشن اقبال، کراچی

فون نمبرز: 0332-3049024 / 021-34976468

WWW.SATHEEMAGAZINE.COM

نسلِ نو کا منفرد ادبی ترجمان

ماہنامہ
ساتھی
کراچی

بیک وقت دو زبانوں میں شائع ہونے والا واحد رسالہ

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

چلد نمبر ۳۰ شمارہ نمبر ۱

جنوری ۲۰۱۸ء

قیمت ۴۰ روپے

مدیر
محمد طارق خان

مجلسِ ادارت
عبدالرحمٰن المومن
عاقب جاوید
شہیر سلال

شعبہ آرٹ
حسام چندریگر
حمزہ منظور

شعبہ مارکیٹنگ
سید طلال علی
اسامہ شیخ

تزئین کار
محمد وجاہت خان

سالانہ خریداری
رجسٹرڈ ڈاک 600 روپے
مشرقِ وسطیٰ 75 ریال
دیگر ممالک 35 ڈالر
سعودی عرب (فی شمارہ) 3 ریال

ناشر: سرفراز احمد

رابطہ کیجیے
اردو امور 0333-5803339
انگلش امور 0336-2246181

ایف 206، سلیم ایونیو، بلاک B-13 گلشنِ اقبال، کراچی
پوسٹ بکس نمبر: 17982، فون نمبر: 34976468
اوقاتِ کار: شام ۵ تا رات ۱۰ بجے

satheemagazine.com
monthlysathee@hotmail.com
monthlysathee
satheecirculation@gmail.com

ہمارا کیا قصور

جی ہاں ساتھیو! اگر آپ کی تحریر قابل اشاعت نہیں تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے؟
کبھی آپ نے اپنی غلطیوں کے بارے میں سوچا ہے کہ کہیں آپ کی تحریر.....

- ؟ نقل شدہ تو نہیں
- ؟ بہت زیادہ طویل تو نہیں
- ؟ عام موضوع پر لکھی گئی تحریر تو نہیں
- ؟ ایک ہی صفحے پر بہت سی تحریریں مختلف سلسلوں کے لیے تو نہیں لکھی گئیں۔
- ؟ کہیں پنسل سے اور خراب لکھائی میں تو نہیں۔
- ؟ کہیں نظم بغیر اصلاح کے تو ارسال نہیں کردی۔

یا

اگر نہیں تو پھر غلطی ہماری ہے
اور ہاں......ایک دو باتیں اور......
تحریر پر اپنا نام مکمل پتا اور تاریخ ضرور لکھیں

یاد رکھیں: بڑا ادیب بننے کے لیے مطالعہ اور مسلسل محنت بہت ضروری ہے

صفحے کے ایک طرف خوشخط اور حاشیہ چھوڑ کر تحریر کریں

تحریر بھیجنے کے بعد دوبارہ منگوانے کی ضد نہ کریں، بلکہ فوٹو اسٹیٹ کروا کر پہلے رکھ لیں

دل پہ دستک

فہد اور بلال دو دوست تھے۔ دونوں نے ایک ہی اسکول اور کالج سے تعلیم حاصل کی۔ اتفاق سے دونوں کو ایک ہی ادارے میں ملازمت مل گئی۔ دفتر میں دونوں کا شعبہ بھی ایک ہی تھا لیکن دونوں کا مزاج ایک دوسرے سے مختلف تھا۔ فہد کچھ خوشامدی واقع ہوا تھا جب کہ بلال کا خوشامد سے دور دور کا واسطہ بھی نہیں تھا۔ بلال اپنے دفتری فرائض پوری ایمان داری سے انجام دینے کی کوشش کرتا۔ وہ دفتر وقت پر آتا اور مقررہ وقت پر دفتر سے گھر کے لیے روانہ ہو جاتا۔ بلال اپنی محنت اور لگن کے سبب اس ادارے کی ضرورت بن گیا تھا۔ فہد اس کے برخلاف کبھی دفتر میں شام دیر تک ٹھہرتا اور کبھی دفتر تاخیر سے آتا۔ فہد اپنے فرائض انجام دینے کے بجائے باس کو خوشامد اور جی حضوری کر کے مطمئن کرنے کی کوشش کرتا۔ فہد اپنے مستقبل کے بارے میں پریشان رہتا تھا جبکہ بلال مطمئن رہتا اور فہد کو بھی مطمئن رہنے کی تلقین کرتا۔

''یار میں تو بس باس کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ ان ہی کے ہاتھ میں ہماری روزی اور رزق ہے۔ وہ جب چاہیں ہمیں نوکری سے نکال سکتے ہیں۔'' فہد نے بلال سے اپنی فکرمندی کا اظہار کیا۔ ''یار بُرا نہیں مانو تو ایک بات کہوں؟'' بلال نے فہد کی طرف دیکھا اور اثبات میں جواب پا کر گویا ہوا۔

''اصل میں تم باس کو خوش آمد اور جی حضوری سے مطمئن کرنے کی کوشش کرتے ہو۔ اگر تم انھیں اپنی کارکردگی سے مطمئن کرنے کی کوشش کرو تو اس طرح پریشان نہیں رہو گے۔ ویسے بھی ہماری روزی اور رزق کا بندوبست کرنے والا ہمارا حقیقی رازق اللہ تعالیٰ ہے۔ ہمارا رازق تو وہ ہے جو دنیا کے بڑے بڑے بادشاہوں کے رزق کا بندوبست کرتا ہے۔ تم اگر اپنے حقیقی رازق کو پہچان لو اور اس کے بتائے ہوئے طریقے کو اختیار کر کے رزق حاصل کرو تو تمھیں باس تو کیا دنیا کے بڑے بڑے بادشاہ اپنے سے کم تر اور کمزور نظر آئیں۔ اگر تم محنت اور ایمانداری سے کام کرو تو تم اپنے ادارے اور باس کی ضرورت بن سکتے ہو۔ علامہ اقبال کہتے ہیں:

اپنے رازق کو نہ پہچانے تو محتاجِ ملوک
اور پہچانے تو ہیں تیرے گدا دارا و جم

ساتھی چٹخارے

نئے سال کا تحفہ — احمد عدنان طارق — ۹

برٹش لائبریری — ادارہ — ۲۱

نادان مریض (نظم) — ضیاء الحسن ضیا — ۱۶

ہیرے والا شتر مرغ — رؤف پاریکھ — ۲۴

سیب کا درخت — ماہم جاوید — ۱۷

ہم بھول گئے تھے (نظم) — محمود عالم — ۳۷

تیزاب کی جانچ کا طریقہ — عاقب جاوید — ۲۲

آسان نسخہ — قانتہ رابعہ — ۳۸

ذرا کھلکھلایئے — ننھے مزاح نگار — ۳۱

ساتھی نے کیا دیا؟ — نیر کاشف — ۳۴

ساتھی مصوری — ننھے مصور — ۴۱

بگ بینگ نظریہ — حسام چندریگر — ۴۲

سیاچن — رانا محمد شاہد — ۴۴

الفاظ کا تعاقب — ادارہ/قارئین — ۴۸

کہانی ایک سفر کی — محمد فیصل شہزاد — ۵۳

حیوانی حقائق — ظفر شمیم — ۶۱

ہوگئی بات صاف (نظم) — احمد حاطب صدیقی — ۶۲

سوال نامہ — ماریہ حجاب — ۶۴

پانچ کروڑ کا ہار — ابن آس محمد — ۶۹

آپ کی نگارشات — ننھے لکھاری — ۷۹

نیلا ہیرا — محمد الیاس نواز — ۸۲

اُردو زباں ہماری — اطہر علی ہاشمی — ۹۱

مجھے رستہ بتادو ماں (نظم) — حنا نرجس — ۹۵

آپ کی تخلیق — ننھے قلمکار — ۹۶

خط……رے — قارئین — ۱۰۳

اَلسَّلامُ علیکم

واقعی وقت کسی کا انتظار نہیں کرتا، ۲۰۱۷ء ابھی تو شروع ہوا تھا اور اب اتنی جلدی ختم بھی ہو گیا۔ آپ نے دریا تو دیکھے ہوں گے۔ ان دریاؤں کا سرا تلاش کرنا شروع کریں تو آپ پہاڑوں پر موجود ان برف کے ٹیلوں پر پہنچیں گے جو مسلسل برف گرنے سے جم جاتے ہیں اور تودوں کی شکل میں پہاڑوں پر پڑے رہتے ہیں۔ اوپر سے دیکھیں تو آپ کو یوں لگے گا جیسے یہ برف کی مضبوط چٹانیں ہیں لیکن آپ کو معلوم ہے انھیں برف کی چٹانوں سے دریا بنتے ہیں۔ یہ برف اندر ہی اندر پگھلتی ہے۔ یہ جو ہماری زندگی ہے یہ بھی برف کی مانند ہے جو آہستہ آہستہ پگھلتی جا رہی ہے۔

کامیاب دراصل وہ شخص ہے جو اپنے ان اوقات کو ٹھیک جگہ استعمال کرے، مفید کام کرے، ایسے کام جو زندگیاں بدل دے، جو صرف آپ کو ہی نہ بدلے بلکہ دوسروں کو بھی بدل دے۔

لوگوں کی زندگیوں کو بامقصد بنانے میں یقیناً نونہال کے مدیرِ اعلا ''مسعود احمد برکاتی'' کا نام بھی لیا جائے گا۔ وہ اب ہم میں نہیں رہے لیکن ان کا کیا ہوا کام ہمیشہ زندہ رہے گا۔ اللہ اُن کی قبر کو اپنے نور سے بھر دے۔ آمین

والسلام

آپ کا بھائی

محمد طارق خان

مدیر، ماہنامہ ساتھی

نئے سال کا تحفہ

احمد عدنان طارق

آخرکار رنجیت کو بھی نئے سال کا تحفہ مل ہی گیا

سری لنکا میں نئے سال کا آغاز ہمیشہ ڈھول کو بجانے اور آتش بازی کے مظاہروں سے ہوتا ہے اور ہر کوئی نئے کپڑے پہنتا ہے۔ موڈی نے بھی بہت خوب صورت پھولوں والا لباس پہنا ہوا تھا۔ اس سال کے آغاز پر اسے ہر طرف سے تحفے موصول ہوئے تھے۔ اس کے امی ابا نے اسے نئے کپڑے دلائے تھے

اوراس کی خالہ نے اسے نئی کھلونا ریل گاڑی لے کر دی تھی۔ تمام تحفوں میں اسے اپنا یہ کھلونا بہت پسند آیا تھا۔ صبح سویرے ہی وہ اس کھلونے کو بغل میں دبالیتی اور جہاں جانا ہوتا اسے لے کر جاتی۔ ڈھول کے بجنے اور آتش بازی کے چھوٹنے سے کان پھٹے جارہے تھے۔ اس کے گھر کے نزدیک املی کے درخت کے نیچے چند عورتیں ڈھول بجارہی تھیں۔ موڑی ان کے ہاتھوں سے ڈھول بجانے کا تال میل غور سے دیکھ رہی تھی۔ وہ ڈھول کو ہاتھوں سے کہنیوں سے اور کبھی کبھی ماتھے سے بھی ضرب لگا رہی تھیں۔

کچھ دیر وہ عورتوں کو دیکھتی رہی پھر اپنی ریل گاڑی کو بغل میں دبائے کھڑی ہوگئی کہ اس نے پڑوسی لڑکے رنجیت کو دیکھا۔ وہ اپنے برآمدے میں تین چار لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ موڑی ان کے نزدیک گئی اور کوئی آواز پیدا کیے بغیر انھیں دیکھنے لگی۔ رنجیت نے چند کوڑیاں ناریل کے خول میں ڈالیں، اپنے ہاتھ سے خول کو ڈھانپ کر اسے ہلایا اور پھر کوڑیاں زمین پر گرادیں۔ پانچ کوڑیاں سیدھے منھ گریں، رنجیت چلا کر کہنے لگا: ”میں نے پانچ کوڑیاں جیتی ہیں۔“ رنجیت لڑکوں سے آگے ہی ایک پتنگ، پانچ چھ کنچے اور کچھ بٹنے جیت چکا تھا۔

موڑی اس کی جیت سے جل گئی۔ اس نے اپنی ریل گاڑی کو چابی دی اور اسے زمین پر چھوڑ دیا۔ ریل گاڑی چلنے لگی اور اس میں سے آواز نکلنے لگی۔ رنجیت نے آواز سن کر پیچھے دیکھا موڑی رنجیت کو صرف اپنی ریل دکھانا چاہتی تھی کھلانا نہیں چاہتی تھی۔ موڑی اکثر رنجیت کے ساتھ کھیلتی تھی لیکن جب سے اسے ریل گاڑی کا کھلونا ملا تھا، وہ اس سے اجتناب برتنے لگی تھی۔ ریل گاڑی دیکھ کر رنجیت موڑی کی طرف آیا اور اس نے اپنی ساری قیمتی چیزیں زمین پر پھینک دیں۔ جب وہ موڑی کے نزدیک آرہا تھا تو وہ چلا کر کہنے لگی: ”تمھیں ادھر آنے کو کس نے کہا ہے، یہاں سے چلے جاؤ اور مجھے اکیلا چھوڑ دو۔“

وہ بولا: ”میں تمھاری گاڑی دیکھنا چاہتا ہوں۔“ موڑی نے گاڑی کو سینے سے لگا لیا اور کہنے لگی: ”میں اسے کسی کو نہیں دکھاؤں گی۔“ رنجیت اس کے پاس بیٹھ گیا۔

موڑی پھر اونچی آواز سے بولی: ”میں نے تمھیں پہلے ہی کہا ہے کہ یہاں سے چلے جاؤ ورنہ میں امی کو بلا لوں گی...... امی...... امی دیکھیں رنجیت مجھے تنگ کر رہا ہے۔“

رنجیت اس کے چلانے سے ڈر گیا اور اپنے گھر بھاگ گیا۔ رنجیت کا باپ ایک بہت غریب کسان تھا۔ بدقسمتی سے اس دفعہ سیلاب کی وجہ سے اس کی چاول کی فصل خراب ہوگئی تھی لہٰذا نئے سال کے آغاز میں جب ہر کوئی اچھے کھانے کھا رہا تھا اور اچھے کپڑے پہن رہا تھا رنجیت اور اس کے بھائی کے پاس پہننے کے لیے نئے کپڑے بھی نہیں تھے۔

کھلونوں اور پٹاخوں کی بات تو تھی ہی دوسری، موڑی کو بہت سے نئے تحفے ملے تھے اور پیاری سی ریل گاڑی بھی۔ رنجیت سوچ رہا تھا کہ اسے کیوں کچھ نہیں ملا۔ وہ بہت غم زدہ تھا۔ رنجیت گھر واپس آیا وہاں ایک سیمنٹ سے بنا ہوا تھڑا تھا۔ تمام گھروں کا گندا پانی اسی تھڑے کے نالے سے گزرتا تھا۔ یہ کبھی نہیں سوکھتا تھا۔ رنجیت اس نالے کے ساتھ بیٹھ گیا اور پانی کی سطح پر بننے والے بلبلوں کو دیکھنے لگا۔ اگرچہ وہ دیکھ تو بلبلوں کو رہا تھا لیکن اس کے دماغ میں موڑی کی ریل گاڑی چل رہی تھی۔ خیالوں میں گم اس نے نالے کو سمندر سمجھ لیا۔ نالے کی سیمنٹ والی طرف اس کی ریلوے لائن تھی۔ ٹھکا ٹھک...... ٹھکا ٹھک۔ یہ وہ آواز تھی جو ریل سمندر کے ساتھ پٹڑی پر گزرتے ہوئے نکالتی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کاش اس کے پاس بھی ریل گاڑی ہوتی اور میں اس نالے کے ساتھ چلاتا ٹھکا ٹھک...... ٹھکا ٹھک۔ رنجیت موڑی کی ریل گاڑی خیال میں دوڑانے لگا۔

نالے کے اطراف میں کائی اُگی ہوئی تھی۔ ایک بہت بھڑکیلے رنگوں والا کاغذ اُڑ کر آیا اور نالے کی کائی میں پھنس گیا۔ رنجیت جھک کر اسے دیکھنے لگا۔ وہ ایک بہت خوب صورت ڈاک کا ٹکٹ تھا۔ پھر اسے یاد آیا کہ موڑی کو ٹکٹیں جمع کرنے کا شوق ہے۔ ایک دو دفعہ اس نے رنجیت سے بھی ٹکٹیں مانگی تھیں لیکن اس کے پاس کوئی ٹکٹ تھی ہی نہیں۔ پھر اس کو اچانک اپنے چھوٹے بھائی اپل کا ٹکٹوں کا البم یاد آیا۔ رنجیت کے ذہن میں یہ بات آئی کہ مجھے موڑی کو کچھ ڈاک کے ٹکٹ دینے چاہییں، ہوسکتا ہے پھر وہ میرے ساتھ کھیلے اور مجھے اپنی ریل گاڑی دیکھنے دے۔ رنجیت یہ سوچ کو دوڑ کر گھر گیا۔ رنجیت کو علم تھا کہ اس کا بھائی البم کہاں رکھتا ہے۔ اُپل اپنے البم کو یوں چھپا کر رکھتا تھا جیسے کوئی اپنے خزانے کو۔

رنجیت نے اُپل کو کھڑکی سے دیکھا تو وہ دور اپنے دوستوں کے ساتھ پتنگ اُڑا رہا تھا۔ رنجیت اپل کی الماری کے پاس گیا اور اس کی ایک دراز کھولی۔ دراز کے اندر اپل کی کتابیں، قلم، پنسلیں، کنچے، ربڑ اور دوسری جمع شدہ چیزیں پڑی تھیں۔ وہ اس میں البم تلاش کرنے لگا۔ پھر اسے پتنگ کی ڈور ملی جو ایک چرخی میں اکٹھی کی گئی تھی۔ البم دراز میں سب سے نیچے سنبھال کر رکھا ہوا تھا۔ اس نے خاموشی سے البم نکال لیا اور اس کے صفحے اُلٹنے لگا۔ البم کے ہر صفحے پر انتہائی خوب صورت ڈاک کے ٹکٹ چسپاں کیے گئے تھے۔ پہلے چند صفحات پر صرف سری لنکا کے ٹکٹ تھے اور بعد کے صفحات میں غیر ملکی ٹکٹ تھے۔ ٹکٹوں پر جانوروں، جہازوں، کشتیوں، بادشاہوں اور ملکاؤں کی تصاویر بنی ہوئی تھیں۔

رنجیت البم سے کچھ صفحات پھاڑنے ہی والا تھا۔ جب اس کی امی نے اسے پکارا تو وہ ڈر گیا۔ پہلے تو وہ چپ رہا لیکن پھر یہ سوچ کر کہ کہیں وہ اسے تلاش کرتے ہوئے ادھر ہی نہ آجائیں وہ بولا: ”جی امی جان۔“ لیکن اپنی جگہ سے نہیں ہلا۔

امی دوبارہ بولیں۔ ''وہاں کیا کر رہے ہو، ادھر آؤ اور باورچی خانے میں آ کر میری مدد کرو۔'' رنجیت نے جلدی سے البم میں سے دو تین صفحے پھاڑ لیے اور پھر بولا: ''اچھا!!امی آتا ہوں۔''

وہ جانتا تھا کہ موڑی کو غیر ملکی ٹکٹیں زیادہ پسند ہیں اگر میں اس کو غیر ملکی ٹکٹیں دوں تو ہو سکتا ہے وہ مجھے اپنی ریل گاڑی سے کھیلنے بھی دے۔ اس نے غیر ملکی ٹکٹوں کے بھی دو تین صفحات پھاڑ لیے۔ اس نے پھاڑے ہوئے صفحے علیحدہ رکھ لیے اور البم دراز میں سب سے نیچے رکھ دیا اور اوپر دوسری چیزیں سجا دیں۔ رنجیت نے کتابیں ترتیب سے نہیں رکھیں۔ دراز بالکل بھر چکا تھا اور اسے بند کرنا بہت مشکل تھا۔ البم کے صفحے لے کر وہ موڑی کی طرف بھاگا، اور اسے ٹکٹیں دکھائیں۔ موڑی اشتیاق سے بولی: ''کیا یہ ڈاک کی ٹکٹیں ہیں؟''

رنجیت بولا۔ ''ہاں یہ بہت خوب صورت ٹکٹیں ہیں اور میرے پاس اور بھی ہیں۔ کیا میں باڑ پھلانگ کر آ جاؤں؟''

موڑی بہت شرمندہ تھی، کچھ دیر پہلے تو اس نے خود ہی کہہ کر رنجیت کو بھگایا تھا۔ اب وہ اسے کیسے بلا سکتی تھی۔ موڑی کی نظریں نیچے تھیں۔ اس نے کہا۔ ''آ جاؤ۔''

رنجیت نے جلدی سے اس کے گھر کے باہر لگی ہوئی باڑ پھلانگی، جلدی میں اس کی قمیص بھی باڑ کے ساتھ اُلجھ گئی اور پھٹ گئی لیکن اسے کوئی فرق نہیں پڑا۔ وہ موڑی کی طرف دوڑا۔ اس نے پوچھا: ''تم نے یہ کہاں سے لی ہیں؟'' رنجیت نے موڑی کو ٹکٹیں دیتے ہوئے کہا۔ ''مجھے ملی ہیں۔'' موڑی خوش ہو کر بولی۔ ''ارے اس میں ایک بھوٹانی ٹکٹ بھی ہے۔'' رنجیت ریل کے ساتھ بیٹھ گیا۔ اس کے ہاتھوں میں خارش سی ہو رہی تھی کہ وہ کسی طرح ریل کو چھونا چاہتا تھا۔

موڑی بولی: ''کوئی بات نہیں تم ریل کو چھو سکتے ہو بلکہ تم اس کے ساتھ کھیل بھی سکتے ہو لیکن میں یہ ساری ٹکٹیں لے لوں گی۔''

رنجیت بہت خوش ہوا۔ وہ بولا: ''ضرور رکھو میں یہ تمھارے ہی لیے لے کر آیا ہوں۔''

موڑی کہنے لگی: ''میں انھیں اپنے کمرے میں رکھوں گی۔'' یہ کہہ کر وہ بولی: ''میری خالہ یہ ریل میرے لیے لے کر آئی ہیں۔ اس کا ڈبہ بھی تھا۔''

پھر اس نے اشارے سے گتے کا ڈبہ رنجیت کو دکھایا جو گھاس میں پڑا ہوا تھا۔ وہ بہت خوب صورت ڈبہ تھا اور اس کے چاروں طرف ریل کی رنگین تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ رنجیت نے موڑی سے وہ ڈبہ لے لیا۔ اسے کھولا اور اندر دیکھا پھر بولا: ''اس میں کتنی عمدہ خوشبو آ رہی ہے۔ بالکل ریل جیسی خوشبو ہے۔''

پھر رنجیت کے کہنے پر موڑی تھرے والے نالے کے پاس آ گئی۔ موڑی ریل کو چابی دینے لگی تو رنجیت نے کہا۔ ''اس کو چابی نہ دو ہم ہاتھ سے اسے دھکیلتے ہیں۔ کہیں یہ پانی میں نہ گر جائے۔'' پھر رنجیت اسے اپنے خیال میں بنائی ہوئی ریل کی پٹڑی اور خیالی سمندر کے بارے میں بتانے لگا۔ موڑی حیران ہو کر پوچھنے لگی۔ ''سمندر کدھر ہے۔'' پھر دونوں کی ریل کی آواز پر گرما گرمی ہو گئی۔ رنجیت کو ٹھکا ٹھک والی آواز پسند تھی اور موڑی کو چکا چک...... چکا چک لگتی تھی لیکن پھر رنجیت کو احساس ہوا کہ موڑی کہیں ناراض نہ ہو جائے۔ رنجیت ایک ہاتھ سے ریل کو دھکیلنے لگا اور منھ سے موڑی کی پسندیدہ آواز نکالنے لگا جس سے موڑی خوش ہو گئی۔

موڑی بولی: ''وہ آسمان پر دیکھو اُپل اور اس کے دوست پتنگیں اڑا رہے ہیں۔ ایک...... دو...... تین دیکھو وہ ایک پتنگ کتنی اونچی چلی گئی ہے۔'' وہ باتوں میں مگن تھے انھوں نے اُپل کو آتے نہیں دیکھا اُپل موڑی کو تنگ کرنے کے لیے کہنے لگا: ''تمھیں پتنگیں گننے کی اجازت کس نے دی، کہیں تمھاری نظر لگ کر کوئی پتنگ ہی نہ گر جائے۔''

موڑی نے پوچھا: ''کیا تم پتنگیں اُڑانا ختم کر آئے ہو؟'' وہ بولا: ''نہیں وہ کوبرے جیسی پتنگ میری ہے۔ میں اپنے دوست کو اس کی ڈور تھما کر آیا ہوں تاکہ گھر سے اور ڈور لے کر آؤں۔ زیادہ ڈور سے میں پتنگ اور اُونچی اُڑاؤں گا۔''

رنجیت اُپل کی باتیں سن کر بالکل نہیں بولا۔ وہ ڈر گیا تھا اسے معلوم تھا کہ اُپل ڈور لینے جا رہا ہے اور اسے یہ بھی معلوم تھا کہ ڈور دراز سے نکالتے ہوئے اسے البم سے پھٹے صفحوں کا پتا چل جائے گا۔ اُپل چلا گیا تو موڑی نے پوچھا: ''تم اتنے ڈرے ہوئے کیوں [illegible] کیا تم اپنے بھائی سے ڈرتے ہو؟'' رنجیت نے [illegible] میں سر ہلایا اور وہ دونوں پھر ریل سے کھیلنے [illegible] رنجیت اچانک شکایت کرتے ہوئے بولا: ''شای[illegible] گوری ہو اور میں کالا۔ سبھی مجھے کوئلہ کہہ کر بلا[illegible] ہیں، کوئی مجھے پیار نہیں کرتا اور نہ ہی کھلونے [illegible] دیتا ہے۔'' پھر اس نے اپنی قمیص کے ایک کونے [illegible] ریل کو صاف کیا۔ موڑی اسے کوئی جواب دینے [illegible] تھی لیکن رنجیت کے گھر سے شور کی آواز آئی۔ رنجی[illegible] اور بھی خوف زدہ ہو گیا۔ اسے پتا تھا کہ اُپل کو سا[illegible] بات کا علم ہو گیا ہے۔ رنجیت کی ماں گھر سے با[illegible] آ گئی۔ اس کے ہاتھ میں اُپل کی ٹکٹوں کا البم تھا [illegible] اُپل اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ اس کی ماں چلا کر بو[illegible] ''رنجیت ادھر آؤ۔ تم نے اتنی گری ہوئی حرکت کیو[illegible] کی ہے، کیوں تم نے البم سے صفحے پھاڑے ہیں؟'' رنجیت کچھ بولے بغیر زمین کو گھورتا رہا۔ وہ بولی: ''می[illegible] نے تمھیں باورچی خانے میں اپنی مدد کے لیے بل[illegible] اور اس کے بدلے میں تم نے یہ کیا ہے۔'' یہ کہہ کر ا[illegible] نے رنجیت کو ہاتھ سے پکڑ لیا تو رنجیت کی پھٹی ہو[illegible] قمیص نظر آئی۔ اس نے رنجیت کے منھ پر ایک تھپ[illegible] رسید کیا تو وہ رونے لگا۔ امی نے اُپل سے چھڑ[illegible] لانے کو کہا۔ رنجیت ماں سے چمٹ کر منت کرنے [illegible] کہ وہ اسے نہ مارے لیکن امی نے اسے بُری طر[illegible] مارنا شروع کر دیا۔ اُپل چھڑی ایک امرود کے درخت[illegible]

سے توڑ کر لایا تھا۔ رنجیت رو رہا تھا اور موڑی خوف زدہ تھی۔ وہ مڑی اور اپنے گھر کی طرف بھاگ گئی۔
رنجیت کی امی نے اسے تسلی سے مارا پھر چھڑی کو ایک طرف پھینکا اور گھر چلی گئیں۔
رنجیت روتا ہوا نالے پر بیٹھ گیا۔ چھڑی سے اس کے بازوؤں اور ٹانگوں پر نشان پڑے ہوئے تھے۔ پھر اسے موڑی کی آواز آئی۔ ''چھک چھک...... چھک چھک۔'' رنجیت نے مڑ کر دیکھا۔
وہ بولی: ''ادھر آؤ میں تمھیں کچھ دوں۔'' رنجیت اس کی طرف بڑھا۔ وہ بولی: ''تم اچھے دوست ہو اتنی مار کھانے کے باوجود تم نے نہیں بتایا کہ تم نے ٹکٹیں مجھے دی ہیں۔ اگر یہ بات میری امی کو معلوم ہو جاتی تو مجھے بھی اتنی ہی مار پڑتی۔''
موڑی نے ٹکٹیں رنجیت کو دکھائیں اور اسے کہنے لگی:
''یہ لے جاؤ اور اپنی امی کو واپس کر دو۔''
رنجیت کہنے لگا: ''اب ان کو واپس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں ان کے بدلے کی مار کھا چکا ہوں اب انھیں تم اپنے پاس رکھو۔''
وہ بولی: ''صرف بُرے بچے چوری کرتے ہیں مجھے معلوم نہیں تھا کہ صرف ٹکٹیں چوری کی ہیں، میں سمجھی تھی کہ یہ تمھاری ہیں۔''
رنجیت غصے سے بولا: ''ہاں میں بُرا بچہ ہوں میں نے چوری کی ہے اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟''
لیکن موڑی ضد کر کے بولی: ''تم بہت بُرے ہو، یہ ٹکٹیں لو اور اپنی امی کو واپس کر کے آؤ۔ ابلی اور تمھاری امی تم سے فوراً مان جائیں گے۔'' رنجیت نے انکار کیا تو موڑی بولی: ''تو ٹھیک ہے آئندہ میں اپنی ریل سے تمھیں کھیلنے نہیں دوں گی۔'' رنجیت بولا: ''نہ دو میرے پاس خالی ڈبہ ہے میں اس کے ساتھ کھیل لوں گا۔''
موڑی بولی: ''اور اگر میں ریل تمھیں ہی دے دوں تو کیا تم یہ ٹکٹیں واپس کر دو گے۔''
رنجیت نے پوچھا: ''کیا ہمیشہ کے لیے دے دو گی لیکن اگر تمھاری امی کو علم ہو گیا تو۔''
وہ بولی: ''میں نے ان سے پہلے ہی اجازت لے لی ہے انھوں نے کہا کہ یہ میرا تحفہ ہے اور میری مرضی پر ہے میں جس کو چاہوں دے دوں۔'' رنجیت نے ریل ہاتھ میں پکڑ کر پوچھا: ''کیا تم سچ کہہ رہی ہو؟''
موڑی بولی: ''لیکن وعدہ کرو کہ ٹکٹیں تم واپس کر دو گے۔'' رنجیت کہنے لگا: ''میں وعدہ کرتا ہوں۔''
رنجیت نے ریل اور ٹکٹیں پکڑیں اور ماں کو پکارتا ہوا اپنے گھر کی طرف دوڑ پڑا۔

☆......☆

اس تحریر کے مشکل الفاظ

تال میل: ہم آہنگی
ضرب لگانا: مارنا
پانی کی سطح: پانی کا اوپر والا حصہ

بچوں کے لیے دلچسپ اور سبق آموز کہانیاں

- بے چارے لکڑی ماموں
- تم تو لڑکی ہو!
- جگنو میاں کی نیکیاں
- وہ لڑکا گیا کہاں؟
- کلاس روم
- مسلمان مصیبت میں گھبرایا نہیں کرتے!
- مس مانو کی مزے دار میاؤں میاؤں

بچوں کے ذہنی امراض
فوزیہ عباس
صفحات: 248 قیمت: 300/=

اسلامک ریسرچ اکیڈمی کراچی

ڈی۔۳۵، بلاک۔۵، فیڈرل بی ایریا، کراچی۔ فون: ۳۶۸۰۹۲۰۱(۲۱۔۹۲)
برقی پتا: irak.pk@gmail.com، ویب گاہ: www.irak.pk

نادان مریض

ضیاء الحسن ضیاؔ

کئی دن سے بخار ہے مجھ کو
ڈاکٹر سے مریض کہنے لگا

اچھے ہوجاؤ گے نہ گھبراؤ
تم کو دوں گا میں ایک اچھی دوا

ڈاکٹر بولا! پھر دوا دے کر
ہو نہ پائے سنو کوئی ناغا

تین چمچے سویرے یاد رہے
تین چمچے ہی شام کو پینا

ڈاکٹر سے مریض یہ بولا
اتنے چمچے کہاں سے لاؤں گا

آپ رکھیں دوا کو اپنے پاس
میرے گھر میں تو ایک ہے چمچا

سیب کا درخت

ماہم جاوید

سیب بابا تین ہفتوں سے پیاسے تھے کہ مس شگفتہ کا ایکسیڈنٹ ہوگیا

چمبیلی کے پھولوں نے شبنم سے غسل کرنے کے بعد آنکھیں مکمل طور پر کھولیں تو سیب کے درخت کو دیکھتے ہی منہ بنا لیا۔

"یہ کیا؟ آج پھر ننھے منے سیب درختوں میں لگے ہوئے ہیں۔ آخر یہ درخت بابا اتنے ضدی کیوں ثابت ہوئے ہیں۔" چمبیلی نے سرگوشی تو جامن سے کی تھی مگر اس کی

آواز کھجور کے درخت نے بھی سن لی۔
”یہ بات تو تم خود ان ہی سے پوچھو۔“ کھجور کے درخت نے ذرا جھک کر کہا۔
”نہ بابا نہ یہ تو گستاخی ہو جائے گی۔“ جھنبلی نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔
”درخت بابا تو نوے کے قریب ہوں گے، میں ٹھہری کم سن۔ آپ بات کریں درخت بابا سے؟“ جھنبلی اترا کر بولی تو کھجور کے درخت کو غصہ آ گیا مگر پھر وہ غصہ ضبط کر کے بولا۔
”میرے پتوں نے ابھی زندگی کی چوبیس بہاریں ہی دیکھی ہیں۔“
”ہم سب مس شگفتہ کے لان کے نئے نویلے درخت اور پھل پھول ہیں۔ سوائے سیب بابا کے۔“ جامن نے جھنبلی سے وضاحت کی۔ اسی وقت مس شگفتہ لان میں کافی کا کپ لیے آ گئیں۔ اپنی مالک کو دیکھ کر سبھی نے خاموشی اختیار کر لی۔ وہ کافی کا کپ لیے سیب کے درخت سے بندھے نفیس جھولے میں بیٹھ گئیں۔
”ماما...... ماما......“ اندر سے ان کی چھوٹی سی بیٹی بھی اپنی ماما کو آوازیں دیتی باہر آ گئی۔ سیب بابا تو مس شگفتہ کی ننھی بچی پر جان نچھاور کرتے تھے۔ انھوں نے اپنی ٹہنی ذرا جھکا کر سرخ سرخ سیب لان کی سبز گھاس پر گرائے جو بچی نے جھپٹ کر اٹھا لیے۔
”اے فور ایپل۔“ اپنی توتلی زبان میں وہ گنگنانے لگی۔ پھر باقی سیب جھولے میں رکھ کر ایک سیب کو دانتوں سے

اقوال حضرت علیؓ

☆ دولت فرعون کا ورثہ ہے اور علم انبیاء کا حلیہ ہے۔
☆ دولت کی حفاظت تم کرتے ہو جبکہ علم تمہاری حفاظت کرتا ہے۔
☆ جس کے پاس دولت ہو اس کے بہت سے دشمن ہوتے ہیں اور جس کے پاس علم ہو اس کے بہت سے دوست ہوتے ہیں۔
☆ دولت بانٹی جائے تو کم ہوتی ہے اور علم بانٹا جائے تو بڑھتا ہے۔
☆ دولت مند کنجوسی کی طرف مائل ہوتا ہے اور عالم فیاضی کی طرف۔
☆ دولت چرائی جا سکتی ہے اور علم چرایا نہیں جا سکتا۔
☆ دولت وقت کے ساتھ گھٹتی رہتی ہے۔ علم کبھی نہیں گھٹتا۔
☆ دولت محدود ہے اس کا حساب رکھا جا سکتا ہے۔ علم لامحدود ہے اس کی کوئی انتہا نہیں۔

مرسلہ: الطاف شاکر، پنڈی

☆......☆

کاٹتے ہوئے وہ پورے لان میں بھاگنے لگی۔ مس شگفتہ نے ناگواری سے بچی کو دیکھا۔ انھیں سیب بالکل پسند نہیں تھے۔ اسی وجہ سے وہ سیب کے درخت کو وہاں سے ہٹا کر اس کی جگہ انار کا درخت لگوانا چاہتی تھیں۔ انھوں نے کئی بار اپنے شوہر رضوی صاحب سے ضد کی مگر سیب کا یہ درخت رضوی صاحب کو بے حد محبوب تھا۔ ان کے بچپن کی بہت سی یادیں اسی سیب کے درخت سے وابستہ

تھیں۔ کئی بار ضد کرنے پر جب رضوی صاحب نہ مانے تو مس شگفتہ نے دوسری ترکیب سوچی۔ انھوں نے مالی کو سختی سے منع کر دیا کہ وہ ہرگز سیب کے درخت کو پانی نہ دے۔ ان کا خیال تھا کہ پانی نہ دینے سے جب درخت مرجھا جائے گا تو یقیناً رضوی صاحب اسے کٹوا دیں گے۔ مگر سیب کا درخت اپنے مالک کا فرمانبردار تھا۔ رضوی صاحب ہر ہفتے کے دن لان کا چکر لگاتے، سیب کے درخت کو اپنے ہاتھوں سے پانی دیتے اور اس کے پاس بیٹھ کر ڈھیروں باتیں کیا کرتے۔ گویا ہفتے بھر کی تھکن وہ سیب کے درخت کے پاس بیٹھ کر اتارا کرتے تھے۔ لان کے دیگر درختوں اور پھلوں کا خیال تھا کہ سیب بابا کو اپنے درخت پر پھل نہیں لگانا چاہیے۔ آج نہیں تو کل مس شگفتہ انھیں کٹوا ہی دیں گی مگر سیب بابا ان سب کی باتوں کو نظر انداز کر کے سرخ سرخ سیبوں سے اپنے آپ کو بھر لیا کرتے تھے۔ پھر اچانک یوں ہوا کہ رضوی صاحب کو کام کے سلسلے میں چھ مہینے کے لیے شہر سے باہر جانا پڑا۔ یہ مہینہ سیب بابا کے لیے بڑا کٹھن گزر رہا تھا۔
تین ہفتے جب انھیں پانی نہیں ملا تو وہ نڈھال سے ہونے لگے تھے۔ عمر کا تقاضہ تھا۔ ورنہ اگر وہ جوان ہوتے تو شاید اتنی جلدی نڈھال نہ ہوتے لیکن پھر بھی وہ صبر شکر کے ساتھ اپنے پھلوں میں کمی نہیں آنے دے رہے تھے۔
”سیب بابا......؟“ انگور نے ڈرتے ڈرتے سیب بابا کو مخاطب کیا۔ سیب بابا جو سر جھکائے دھوپ کی تپش برداشت کر رہے تھے دھیرے سے بولے۔
”ہوں اں......“
”آپ کب تک اپنے آپ سے لڑتے رہیں گے؟“ انگور کی آنکھیں نم ہو رہی تھیں۔
”جب تک ہمت ہے بیٹا۔“ سیب بابا ہمت کر کے بولے۔
”بابا کیا آپ موت سے ڈرتے ہیں؟ وہ تو ہر حال میں آنی ہی ہے۔ پھر کیوں آپ اتنی مشقت برداشت کر رہے ہیں۔ ان سب محنتوں کے باوجود مس شگفتہ آپ کو یہاں سے ہٹا دیں گی۔“ انگور نے جذبات کی شدت میں بہتے ہوئے کہا۔
”ہاں بابا انگور ٹھیک کہہ رہا ہے آپ اپنے اوپر پھل لگانا چھوڑ دیں۔“ کھجور بولا۔
”میرے پیارے بچو! میں جانتا ہوں کہ آپ سب مجھ سے محبت کرتے ہیں۔“ سیب بابا نے سب پر نظر دوڑاتے ہوئے کہنا شروع کیا۔
”میں موت سے نہیں ڈرتا۔ مگر میرے آباؤ اجداد سے یہ نصیحت چلی آ رہی ہے کہ چاہے کچھ بھی ہو جائے اپنے مالک کے احسان کو فراموش مت کرنا۔ میں انسانوں کی طرح وقتی پریشانی اور مصیبت میں گھر کر اپنے مالک کے احسانات کو بھول نہیں سکتا۔“ ”مگر بابا زندگی اور موت اور احسانات تو سب اللہ کی طرف سے ملتے ہیں۔“ جھنبلی نے حیرت سے سیب کی بات کاٹ کر کہا۔

''ہاں یہ ٹھیک بات ہے لیکن اس دنیا میں بہت سی ہستیاں ایسی ہیں جنھیں اللہ محسن بناتا ہے۔ جن کے احسانات چکانا ممکن نہیں۔ جیسے ماں، باپ، استاد۔ ان سب کی محنتوں کو بھول کر ان کی نافرمانی کرنے والا ہی نادان ہوتا ہے۔'' سیب بابا نے جمیلی کو سمجھایا۔

''اوہو...... ٹھیک کہا بابا آپ نے۔'' سارے پھلوں اور درختوں نے ان کی بات کی تائید کی۔

پھر خدا کا کرنا یوں ہوا کہ مس شگفتہ کی کار کا ایکسیڈنٹ ہوگیا۔ انھیں کافی چوٹیں آئی۔ خون بھی ضائع ہوا اور طاقت میں کمی آگئی۔ جس کے باعث رنگت بھی پیلی پڑگئی۔ ڈاکٹر روحی انھیں چیک کرنے روزانہ گھر پر آیا کرتی تھیں کیوں کہ مس شگفتہ کو ہسپتال کے نام سے ہی دہشت ہوتی تھی۔ مسلسل علاج سے وہ کچھ بہتر ہونے لگی تھیں۔ کڑوی دواؤں کے استعمال سے وہ بہت پریشان تھیں۔ ایک دن کمرے میں لیٹے لیٹے جب ان کا دل گھبرانے لگا تو وہ اٹھ کر لان میں آگئیں۔ اسی وقت ڈاکٹر روحی ان سے ملنے آگئیں۔

''واہ بھئی مسز رضوی اتنا بہترین پھل آپ کے لان میں ہے اور آپ وٹامنز اور انرجی کی دوائیں استعمال کر رہی ہیں؟'' ڈاکٹر روحی لان کی گھاس پر بکھرے سرخ سرخ سیبوں میں سے ایک سیب اٹھا کر دانتوں سے کاٹتے ہوئے بولیں۔

''کیا...... یہ پھل؟'' مس شگفتہ نے حیرت سے منہ بنایا۔

''جی یہ پھل وٹامنز کا خزانہ ہے، اگر آپ دن میں دو وقت اس کا جوس پئیں تو بہت تیزی سے خوبصورت اور تندرست ہوجائیں گی اور اس کی سب سے بڑی خاصیت یہ ہے کہ یہ آپ کو موٹاپے سے بچائے گا۔''

ڈاکٹر روحی کی بات پر مس شگفتہ حیران رہ گئیں۔ پھر لان کے سبھی درختوں، پھلوں اور پھولوں نے دیکھا کہ ان کی مالکن مالی سے کہہ رہی تھیں۔

''رمضو بابا اس سیب کے درخت کا خاص خیال رکھیں۔ مجھے دن میں دو بار اس کا جوس پینا ہے۔''

ان کی اس بات پر سیب بابا نے خدا کا شکر ادا کیا کہ وقتی پریشانی میں گھر کر انھوں نے اپنے مالک کے احسانات کو نہیں بھلایا اور فرمانبرداری کرتے ہوئے اپنی کھوئی اہمیت کو نہ صرف حاصل کر لیا بلکہ لان کے سبھی پودوں، درختوں، پھلوں اور پھولوں کے سامنے سرخرو ہوگئے۔

☆......☆

اس تحریر کے مشکل الفاظ

منہ بسورنا: منہ بنانا

گستاخی: بے عزتی کرنا

ضبط: قابو

تقاضہ: مطالبہ

احسان فراموشی: احسان بھلا دینا

رنگت: رنگ

خاصیت: خوبی

کتابوں کی دنیا

برٹش لائبریری

برٹش لائبریری متحدہ انگلستان کی قومی لائبریری ہے جو لندن میں یوسٹن ریلوے اسٹیشن کے قریب واقع ہے۔ اپنی فہرست کے اعتبار سے یہ دنیا کی سب سے بڑی لائبریری ہے، جس میں دنیا بھر کی تقریباً پندرہ کروڑ اشیا موجود ہیں، ہر خاص و عام شخص اس سے استفادہ کرسکتا ہے۔ اس لائبریری میں متحدہ انگلستان اور آئرلینڈ میں چھپنے والی تمام کتب رکھی جاتی ہیں۔ یہ لائبریری ایک بڑا تحقیقی مرکز بھی ہے جس میں کتابیں، نقشے، ویڈیوز، آڈیوز، اخبارات، میگزینز، ڈیٹابیس، نقشے، مہریں اور تصاویر سمیت بہت سی دیگر چیزیں مختلف زبانوں اور فارمیٹ میں موجود ہیں۔ اس لائبریری میں 1.4 کروڑ کتابوں کے ساتھ دو ہزار قبل مسیح تک کی تاریخی اشیاء بھی محفوظ ہیں۔ اس لائبریری میں ہر سال تیس لاکھ نئی اشیاء کا اضافہ ہوتا ہے، جسے محفوظ کرنے کے لیے کافی جگہ درکار ہوتی ہے۔ سن ۲۰۱۲ء میں لائبریری میں ڈیجیٹل لائبریری سسٹم کا اضافہ کیا گیا جس میں دنیا بھر میں شائع ہونے والی کتابوں کو پی ڈی ایف یا دیگر ای فارمیٹ میں محفوظ کیا جاتا ہے۔ سن ۱۹۷۳ء سے پہلے لائبریری برٹش عجائب خانے کا حصہ تھی جس کے بعد لائبریری اور عجائب خانے کے الگ الگ شعبے بنادیے گئے۔ ۱۹۹۷ء میں لائبریری کی عمارت کو عجائب خانے کی عمارت سے الگ کردیا گیا اور اسے ایک الگ حیثیت دے دی گئی۔

تیزاب کی جانچ کا طریقہ

عاقب جاوید

تیزاب کو جانچنے کے لیے انڈیکیٹرز کو الگ الگ بوتلوں میں ڈال کر تمام پر ایک لیبل لگا دیں

تمام لیبل لگی ہوئی بوتلوں میں سے ایک پر "اصل" لکھ کر اس کو برابر والی بوتلوں سے تھوڑا دور رکھ دیں

اب آپ بنائے گئے انڈیکیٹرز کی مدد سے یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ آپ کے گھر میں کتنی قسم کے تیزاب موجود ہیں مندرجہ ذیل ایک فہرست دیکھیے جن پر آپ تجربات کر سکتے ہیں۔

۱۔ لیموں کا رس / ۲۔ موسمی کا رس / ۳۔ بیکنگ پاؤڈر / ۴۔ فنائل / ۵۔ واشنگ سوڈا / ۶۔ سرکہ / ۷۔ قہوہ / ۸۔ پھٹا ہوا دودھ

'انڈیکیٹرز' کی ہر بوتل میں باری باری مذکورہ بالا چیزوں کے چند قطرے ملائیں، یاد رہے ہر بوتل میں صرف ایک ہی چیز کے قطرے ملانے ہیں۔ "اصل" لیبل والی بوتل میں کچھ ملانے سے گریز کریں۔

اب ان بوتلوں پر آپ انہی چیزوں کے نام کے لیبل لگا دیں جو آپ نے ان میں ملائی ہیں۔

مشاہدہ کریں

۱۔ اب آپ ہر بوتل کے مائع کو اس انڈیکیٹر والی بوتل سے موازنہ کریں جس پر "اصل" لکھا ہوا ہے۔ اگر ملے ہوئے انڈیکیٹر میں مائع کا رنگ گلابی ہو جاتا ہے تو معلوم ہوا کہ اس میں 'تیزاب' موجود ہے

۲۔ اگر مائع نیلے یا ہرے رنگ میں تبدیل ہوتا ہے تو وہ مختلف کیمیائی گروپ سے تعلق رکھتا ہے۔ جسے 'اساس' کہتے ہیں
یاد رہے اس عمل میں ایک گھنٹہ یا دو گھنٹے بھی لگ سکتے ہیں

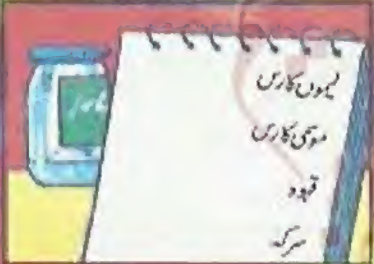

۳۔ یادداشت کے لیے ایک نوٹ بک پر لکھ لیں کہ کس مائع میں 'تیزاب' ہے اور کس میں 'اساس'

جس بوتل پر آپ نے "اصل" لکھا تھا اسے موازنہ کرنے کے لیے استعمال کریں گے

تیزاب اور اساس دو مختلف گروپ ہیں عموماً تیزاب کھٹے ہوتے ہیں جیسے سرکہ وغیرہ اس کے علاوہ گندھک کا تیزاب تیز اور تباہ کن ہوتا ہے جو دوسری چیزوں کو گلا دیتا ہے۔ کئی قسم کے اساس بھی تباہ کن ہوتے ہیں۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ شہد کی مکھی کے ڈنک میں 'تیزاب' جبکہ بھڑ کے ڈنک میں 'اساس' ہوتا ہے

ہیرے والا شتر مرغ

ترجمہ: رؤف پاریکھ

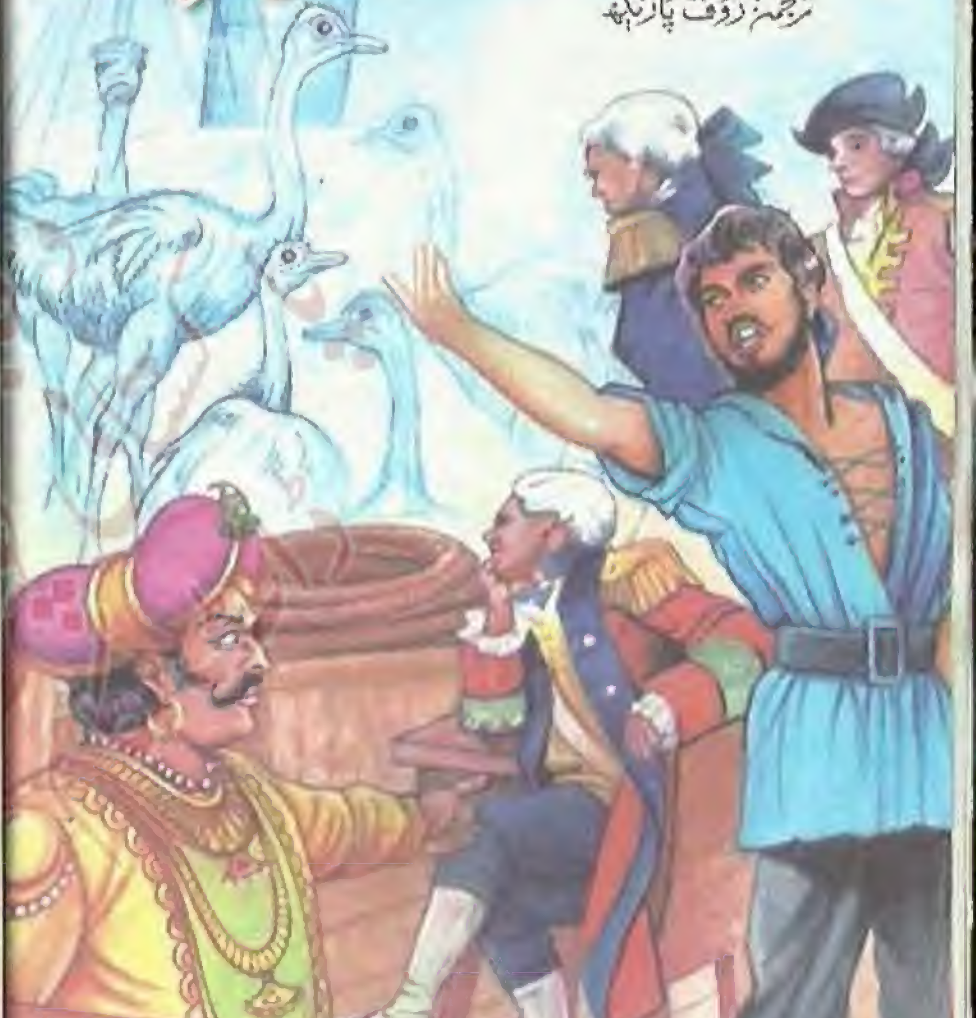

''اگر تم پرندوں کی قیمت کی بات کرتے ہو تو میں تمھیں بتاؤں کہ میں نے ایک ایسا شتر مرغ بھی دیکھا ہے، جس کی قیمت تین ہزار پاؤنڈ لگائی گئی تھی۔''

''تین ہزار پاؤنڈ! کیسے؟'' اس نے مجھے چشمے کے اوپر سے گھورتے ہوئے کہا۔

اس کا کام پرندوں کی کھال میں بھس بھر کر انھیں بیچنا تھا۔ اسی لیے وہ پرندوں اور ان کی قیمتوں کے قصے سنایا کرتا تھا۔

''تین ہزار پاؤنڈ؟'' میں نے حیرت ظاہر کی۔ ''کیا وہ شتر مرغ کسی نایاب نسل کا تھا؟''

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ وہ اور باقی چار شتر مرغ جن کا میں قصہ سنانے والا ہوں وہ پانچوں عام سے شتر مرغ تھے، بلکہ ایک کی کھال کا رنگ بھی مناسب دانہ پانی نہ ملنے کی وجہ سے اُڑ گیا تھا لیکن ان میں سے ایک شتر مرغ نے ایک نہایت قیمتی ہیرا نگل لیا تھا۔''

''شتر مرغ نے ہیرا نگل لیا تھا؟''

''ہاں۔''

اس نے ہماری دلچسپی دیکھ کر پورا قصہ سنانا شروع کیا جو یوں تھا۔

وہ ہیرا ایک ہندو بیوپاری کا تھا۔ اس کا نام موہن تھا۔ موہن ایک موٹا سا آدمی تھا۔ اس کی پگڑی میں وہ ہیرا لگا ہوا تھا۔ شتر مرغ نے اس کی پگڑی پر چونچ ماری اور ہیرا نگل لیا۔ جب موہن کو پتا چلا کہ یہ کیا ہو گیا ہے تو اس نے ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ یہ سب کچھ ذرا سی دیر میں ہو گیا۔

میں ان لوگوں میں شامل تھا جو سب سے پہلے وہ[اں] پہنچے۔ دراصل ہم لوگ لندن جانے کے لیے ایک بح[ری] جہاز میں سوار ہو رہے تھے جب میں وہاں پہنچا موہن، دو ملاحوں اور شتر مرغ کے رکھوالے کے درمیا[ن] اچھی خاصی گرما گرمی ہو رہی تھی، بلکہ شتر مرغوں کا رکھو[الا] تو ہنستے ہنستے دہرا ہوا جا رہا تھا۔ یہ پانچوں شتر مرغ لند[ن] لے جانے کے لیے بحری جہاز پر پہنچائے جا رہے [تھے] کہ ان میں سے ایک نے پاس کھڑے ہوئے ایک ہن[دو] بیوپاری موہن کی پگڑی میں لگا ہوا ہیرا نگل لیا۔ ا[س] وقت شتر مرغوں کا رکھوالا وہاں موجود نہیں تھا۔ وہ تھوڑ[ی] دیر بعد پہنچا۔ اس لیے اسے بھی معلوم نہیں تھا کہ کون س[ے] شتر مرغ نے ہیرا نگلا ہے۔ بہرحال ہم سب لوگ بح[ری] جہاز پر سوار ہو گئے اور جہاز لندن کے لیے روانہ ہو گیا[۔] شتر مرغ بھی جہاز پر سوار تھے۔

بحری جہاز پر اس قسم کی خبریں بہت تیزی سے پھیلتی ہیں[۔] چنانچہ تھوڑی ہی دیر بعد جہاز کے تمام مسافروں کو اس بات کا پتا لگ گیا کہ جہاز پر سوار شتر مرغوں میں سے ایک کے پیٹ میں ایک ہیرا موجود ہے جو اس نے ایک مسافر کی پگڑی سے اُچک لیا تھا۔

ہر شخص اسی کے بارے میں بات کر رہا تھا۔ موہن اپ[نے] جذبات چھپانے کے لیے اپنے کیبن میں چلا گیا لیکن رات کے کھانے پر جب سب مسافر جہاز کے کھا[نے] کے کمرے میں جمع ہوئے تو موہن ایک میز پر جہاز کے کپتان کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ موہن نے کپتان پر زو[ر]

دیا کہ وہ کسی نہ کسی طرح اس کا ہیرا واپس دلوائے۔
اس کا کہنا تھا کہ میں وہ شتر مرغ نہیں خریدوں گا، بلکہ مجھے میرا قیمتی ہیرا واپس دلوانا کپتان کا فرض ہے۔
اس نے یہ بھی کہا کہ اگر مجھے میرا ہیرا واپس نہ ملا تو میں لندن پہنچ کر پولیس میں شکایت درج کراؤں گا۔ لہٰذا بہتر ہے کہ شتر مرغوں کو کوئی دوا کھلا کر ہیرا حاصل کیا جائے۔
اُدھر شتر مرغوں کا رکھوالا بھی ایک ضدی آدمی نکلا۔ اس نے کہا کہ میں شتر مرغوں کو دوا دے کر ہیرا حاصل کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ اس کا کہنا تھا کہ میں ان شتر مرغوں کا مالک نہیں ہوں بلکہ صرف رکھوالا ہوں اور مجھے سختی سے ہدایت کی گئی ہے کہ شتر مرغوں کو صرف فلاں فلاں چیز کھلائی جائے اور انھیں فلاں فلاں طریقے سے رکھا جائے۔ جب کہ موہن کا کہنا تھا کہ چوں کہ شتر مرغوں میں سے ایک نے اس کا ہیرا نگل لیا ہے اس لیے اب وہ جس طرح چاہے ہیرا نکال سکتا ہے، چاہے ان کا پیٹ کاٹ کر ہی کیوں نہ نکالا جائے۔ اس طرح یہ مسئلہ ایک قانونی شکل اختیار کر گیا تھا لیکن جہاز پر کوئی وکیل موجود نہیں تھا۔ اس لیے ہر مسافر اپنی اپنی رائے دے رہا تھا۔ مسافروں میں سے اکثر کا کہنا تھا کہ موہن کو شتر مرغ خرید لینے چاہئیں، پھر اس کا جو جی چاہے ان کے ساتھ کرے۔
جہاز عدن کی بندرگاہ پر رُکا اور جب وہاں سے چلا تو رات کے کھانے پر موہن نے مسافروں کی بات مان لی اور پانچ کے پانچ شتر مرغ خریدنے کے لیے تیار ہو گیا لیکن اگلی صبح ناشتے پر صورت حال پھر بدل گئی کیوں کہ شتر مرغوں کے رکھوالے نے اعلان کیا کہ وہ شتر مرغوں کا مالک نہیں ہے، اس لیے وہ انھیں کیسے بیچ سکتا ہے؟ اور دنیا کی کوئی طاقت اسے مالک سے پوچھے بغیر شتر مرغ بیچنے پر مجبور نہیں کر سکتی۔
اس پر ایک مسافر کھڑا ہو گیا۔ اس کا نام پوٹر تھا۔ اس نے اعلان کیا کہ شتر مرغوں کے رکھوالے کو میں نے بھی ایک اچھی خاصی رقم کی پیش کش کی تھی لیکن وہ شتر مرغ بیچنے پر تیار نہیں تھا۔ اس لیے جب جہاز عدن پر ٹھہرا ہوا تھا تو میں نے وہاں سے شتر مرغ کے مالک کو لندن تار دے کر تمام شتر مرغ خریدنے کی پیش کش کی تھی۔ اس کا جوابی تار مجھے جہاز کی اگلی منزل پر یعنی سویز پر مل جائے گا۔ یہ سن کر موہن نے پوٹر کو سب کے سامنے بُرا بھلا کہا۔ اس کی صورت دیکھنے والی تھی لیکن جہاز کے باقی سب مسافر پوٹر کو ایک ہوشیار آدمی مان گئے۔
جب جہاز سویز پہنچا تو پوٹر کے تار کا جواب لندن سے آ چکا تھا۔ شتر مرغوں کے مالک نے اُنھیں پوٹر کے ہاتھ فروخت کرنے کی ہامی بھر لی تھی۔ اب پوٹر شتر مرغوں کا مالک بن چکا تھا۔ یہ خبر سن کر موہن کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ آخر اس نے پوٹر سے کہا کہ میں شتر مرغ تم سے خریدنے کے لیے تیار ہوں۔ تم فی شتر مرغ پانچ سو پاؤنڈ کے حساب سے پانچ شتر مرغوں کے ڈھائی ہزار پاؤنڈ لے لو۔ اس پر پوٹر نے کہا کہ میں نے یہ شتر مرغ بیچنے کے لیے نہیں خریدے۔ میرا ارادہ ان کے پیٹ چاک کر کے ہیرا تلاش کرنے کا ہے۔
لیکن بعد میں پوٹر کا ارادہ تبدیل ہو گیا اور اس نے شتر مرغ نیلام کرنے کا اعلان کیا لیکن ساتھ ہی اس نے ایک شرط بھی رکھی۔ وہ یہ کہ کسی شخص کے ہاتھ ایک سے زیادہ شتر مرغ فروخت نہیں کیا جائے گا اور ایک شتر مرغ وہ اپنے لیے رکھے گا تاکہ قسمت آزما سکے۔ کیا پتا ہیرا اسی میں سے نکلے۔
وہ ہیرا بہت قیمتی تھا۔ ہمارے ساتھ بحری جہاز پر ہیروں کا ایک یہودی تاجر بھی سفر کر رہا تھا۔ جب موہن نے اسے اس ہیرے کے بارے میں بتایا کہ کیسا تھا اور کتنا بڑا تھا تو اس نے اس کی قیمت اندازاً چار سے پانچ ہزار پاؤنڈ بتائی۔ جب جہاز کے مسافروں کو ہیرے کی قیمت کا پتا چلا تو وہ بے چینی سے نیلامی کا انتظار کرنے لگے جو اگلے دن ہونے والی تھی۔
اب اتفاق کی بات کہ شتر مرغوں کے رکھوالے سے مجھے باتوں باتوں میں پتا چلا کہ ایک شتر مرغ بیمار ہے اور اس کے پیٹ میں گڑبڑ ہے۔ اس شتر مرغ کی دُم کے پروں میں سے ایک پَر بالکل سفید تھا جو شاید بیماری کی وجہ سے ہو گیا تھا۔ میں نے سوچا کہ ہو نہ ہو یہ وہی شتر مرغ ہے جس کے پیٹ میں ہیرا ہے اور اسی لیے اس کے پیٹ میں گڑبڑ ہے۔ اگلے روز جب نیلامی شروع ہوئی تو سب سے پہلے یہی شتر مرغ لایا گیا۔ بولی آٹھ سو پاؤنڈ سے شروع ہوئی۔ موہن نے فوراً ساڑھے آٹھ سو کی بولی

قبلہ

اکبر الہ آبادی کو کسی صاحب نے خط لکھا اور خط میں انھیں قبلہ کہہ کر مخاطب کیا۔ اکبر نے جواب دیا۔
"آپ نے مجھے قبلہ لکھا ہے جو کہ مسلمانوں کیلئے قابل احترام جگہ سمجھی جاتی ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کو کیا لکھوں؟ یہی لکھ سکتا ہوں کہ وعلیکم السلام جامع مسجد۔"

مرسلہ: محمد خان، چنڈی بھلیاں

دی جس کے جواب میں، میں نے نو سو پاؤنڈ کی آواز لگائی۔ مجھے یقین تھا کہ ہیرا اسی شتر مرغ کے پیٹ میں ہے اور اتنے زیادہ بھاؤ یعنی نو سو پاؤنڈ سے کوئی آگے نہیں بڑھے گا لیکن موہن بالکل باؤلا ہو گیا تھا۔ اس نے اندھا دھند بولی بڑھانی شروع کی۔ ہیروں کا یہودی تاجر بھی بڑھ چڑھ کر بولی لگا رہا تھا۔ اس نے بولی ایک ہزار سات سو پاؤنڈ تک پہنچا دی۔ اس موقع پر پوٹر نے اس کے حق میں بولی ایک دو تین کہہ کر ختم کر دی۔ موہن نے ایک ہزار آٹھ سو کی آواز لگائی لیکن جب تک پوٹر تین کہہ چکا تھا۔ موہن ہاتھ ملتا رہ گیا۔
یہودی تاجر نے پوٹر کو شتر مرغ کی قیمت ادا کی اور اسی وقت پستول نکال کر شتر مرغ کو گولی مار دی۔ اس پر پوٹر نے خوب شور مچایا اور کہا اگر اس شتر مرغ کو اس وقت کاٹا گیا تو اس سے نیلامی پر بُرا اثر پڑے گا کیوں کہ اگر اس میں سے ہیرا نکل آیا تو میرے با

شتر مرغ کوئی نہیں خریدے گا لیکن ہم سب ہیرا دیکھنے کے لیے اتنے بے چین تھے کہ سب نے سنی ان سنی کر دی۔ شتر مرغ کو چیرا پھاڑا گیا لیکن اس میں سے کچھ نہ نکلا، مجھے یہ سوچ کر خوشی ہوئی کہ میرا نقصان ہوتے ہوتے رہ گیا کیوں کہ میں خود اس شتر مرغ کی قیمت ایک ہزار چار سو پاؤنڈ لگا چکا تھا۔

یہودی تاجر نے کسی خاص افسوس کا اظہار نہیں کیا، البتہ پوٹر نے یہ کہہ کر نیلامی بند کر دی کہ جب تک سارے شتر مرغ نہیں بک جاتے وہ کسی کو شتر مرغوں کی چیر پھاڑ نہیں کرنے دے گا لیکن یہودی تاجر کا کہنا تھا کہ جب کوئی شخص ایک چیز خرید لیتا ہے تو اس کی مرضی ہوتی ہے کہ وہ اس کے ساتھ جب اور جیسا چاہے سلوک کرے۔ بات بڑھ گئی اور گرما گرمی ہونے لگی تو نیلامی اگلی صبح تک روک دی گئی۔ رات کو کھانے کی میز پر شتر مرغوں کی نیلامی کے بارے میں ہی باتیں ہوتی رہیں۔ جتنے منہ اتنی باتیں۔ کچھ نے تو جہاز کے کپتان سے یہ بھی کہا کہ اس نیلامی کو روک دیا جائے کیوں کہ اس طرح ہیرا بیچنا ایک طرح کا جوا ہے لیکن پوٹر کا کہنا تھا کہ میں ہیرا نہیں بیچ رہا، میں تو صرف شتر مرغ بیچ رہا ہوں، آخر کپتان نے اعلان کیا کہ جہاز پر شتر مرغ کی خرید و فروخت کی اجازت ہے لیکن شتر مرغوں کے قتل کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ اب کوئی شخص شتر مرغوں کو نہ تو جہاز پر ہلاک کرے گا اور نہ ان کی چیر پھاڑ کرے گا۔ لندن پہنچنے کے بعد جہاز سے اُتر کر مسافروں کا جو جی چاہے شتر مرغوں کے ساتھ کریں۔

اگلی صبح جب نیلامی شروع ہوئی تو ہر شخص کے ذہن میں یہ بات تھی کہ شتر مرغ پانچ کے بجائے اب چار رہ گئے ہیں، اس لیے کسی ایک شتر مرغ سے ہیرا نکلنے کا امکان اب پہلے سے زیادہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بولی کل سے بھی زیادہ پُرزور انداز میں شروع ہوئی۔ میرے پاس پیسے کم تھے، اس لیے میں تو پیچھے ہٹ گیا۔ ایک شتر مرغ دو ہزار پاؤنڈ پر بکا۔ ایک کی قیمت دو ہزار تین سو پاؤنڈ لگائی گئی۔ جب کہ تیسرا ڈھائی ہزار پاؤنڈ میں فروخت ہوا لیکن عجیب بات تھی کہ موہن نے ان میں سے ایک بھی نہیں خریدا بلکہ جب بولی لگائی جا رہی تھی تو وہ ایک کونے میں بیٹھا لندن پہنچ کر پولیس میں رپورٹ درج کرانے کی باتیں کر رہا تھا اور قانونی نکتے اُٹھا رہا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ یہ ساری نیلامی غیر قانونی ہے۔ فروخت ہونے والے تین شتر مرغوں میں سے ایک اسی یہودی تاجر نے خریدا۔ ایک شتر مرغ ایک افسر نے خریدا جو جہاز پر سفر کر رہا تھا۔ تیسرا بحری جہاز کے انجینئرز نے آپس میں پیسے جمع کر کے خرید لیا۔

جب نیلامی ختم ہوئی تو پوٹر اُداس ہو گیا۔ اس کا کہنا تھا کہ اس نے شتر مرغ بیچ کر بے وقوفی کی ہے۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ اس نے اپنے لیے جو شتر مرغ رکھا تھا وہ بھی اس نے ایک مسافر کو تین ہزار پاؤنڈ میں رات میں ہی بیچ دیا تھا لیکن میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس میں بے وقوفی کی کیا بات ہے۔ جو شتر مرغ

اس نے زیادہ سے زیادہ آٹھ سو پاؤنڈ میں خریدے ہوں گے وہ اس نے ایک ایک کر کے ساڑھے گیارہ ہزار پاؤنڈ میں بیچ دیے۔

آخر جہاز لندن کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہوا۔ سارے مسافر اُترنا شروع ہوئے۔ شتر مرغ بھی اُتارے گئے۔ شتر مرغ خریدنے والوں نے اُنھیں وہیں چیرنے پھاڑنے کا ارادہ کیا لیکن بندرگاہ کے افسروں نے اس کی اجازت نہیں دی۔ موہن پاگلوں کی طرح اِدھر سے اُدھر دوڑتا پھر رہا تھا۔ جن لوگوں نے شتر مرغ خریدے تھے وہ ان سے ان کے نام اور پتے پوچھ رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ اگر ان کے خریدے ہوئے شتر مرغ سے ہیرا نکل آئے تو مجھے خط لکھ کر بتائیں لیکن کسی نے بھی اسے اپنا نام پتا نہیں دیا۔ موہن نے پوٹر کو یہاں بھی بُرا بھلا کہا لیکن پوٹر نے اپنا سامان اُٹھایا اور چل پڑا۔ باقی مسافر بھی اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔ شتر مرغ خریدنے والوں نے اُنھیں لدوا دیا اور وہ بھی چل پڑے۔

یہ کہہ کر وہ چپ ہو گیا اور ایک پرندے کی کھال میں بھس بھرنے لگا۔ میں نے بے صبری سے کہا: ”پھر کیا ہوا؟ ہیرا کون سے شتر مرغ میں تھا؟“ وہ مسکرایا اور بولا۔

”میرے خیال میں کسی میں بھی نہیں تھا۔“

”وہ کیوں؟“ میں نے حیرت سے پوچھا۔

اس نے بتانا شروع کیا: ”یہ بات مجھے بھی معلوم نہ ہوتی اور میں بھی یہی سمجھتا رہتا کہ موہن کا ہیرا کسی شتر

مرغ نے نگل لیا تھا لیکن اتفاق کی بات ہے کہ لند
پہنچنے کے ایک ہفتے بعد میں لندن کی ریجنٹ اسٹری
میں خریداری کر رہا تھا کہ مجھے موہن اور پوٹر نظ
آئے۔ دونوں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے، بہت خوش خوش
مسکراتے ہوئے جا رہے تھے۔ دونوں نے بہت مہ
اور مہنگے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ میں چپ چاپ
اُنھیں دیکھنے لگا۔ انھوں نے کوئی چیز خریدی۔ موہ
نے پیسے دینے کے لیے بٹوا نکالا تو وہ نوٹوں سے ٹھس
ٹھس بھرا ہوا تھا۔ لگ رہا تھا کہ دونوں کو کہیں سے
بہت سارا روپیہ ہاتھ لگا ہے۔“

میں نے ایک لمبی سانس لے کر کہا: ”بہت خوب! تو اس
کا مطلب یہ ہوا کہ کسی شتر مرغ نے کوئی ہیرا نہیں نگ
تھا۔ موہن اور پوٹر دونوں ساتھی تھے اور انھوں نے اس
طرح نیلامی کے ذریعے سے ہزاروں پاؤنڈ بٹور لیے۔
اس نے مسکرا کر ”ہاں“ کہا اور سر جھکا کر پرندوں ک
کھال میں بھس بھرنے لگا۔

تحریر: ایچ جی ویلز

☆.....☆

اس تحریر کے مشکل الفاظ

اُچکنا: اُچھلنا

فروخت کرنا: بیچنا

نیلامی: بولی لگانا

راستہ تلاش کریں

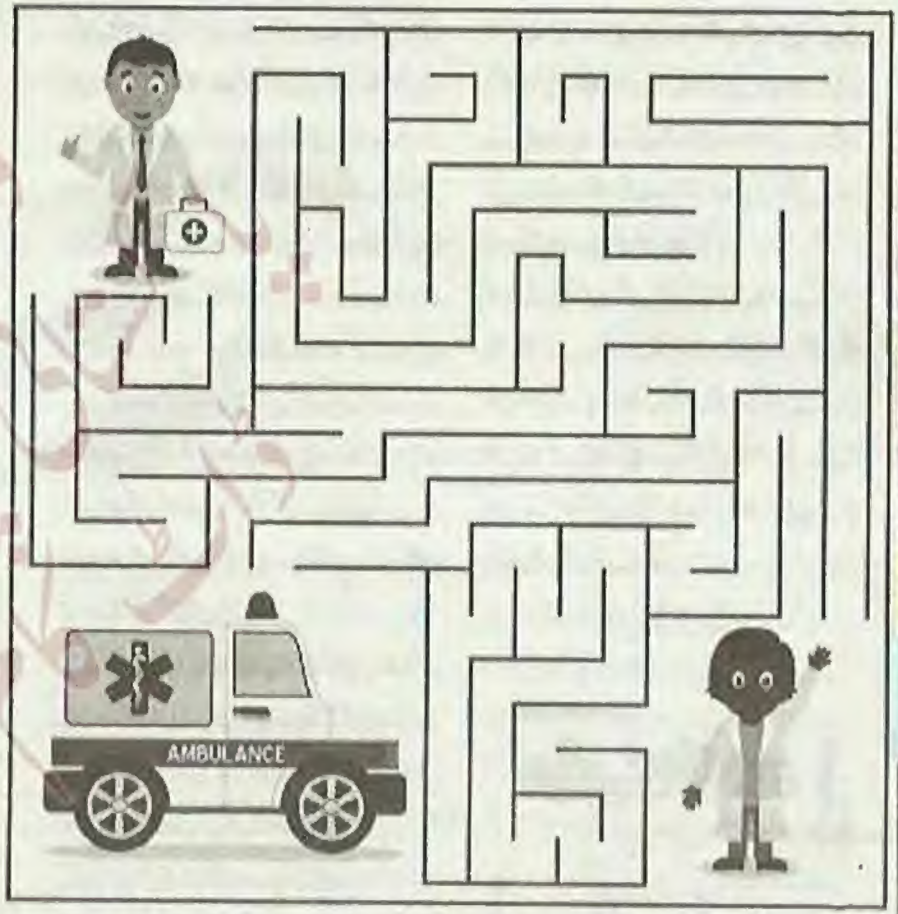

عمر

آپریشن کے لیے بے ہوشی کا ٹیکا لگانے سے پہلے ڈاکٹر نے مریضہ سے پوچھا۔

''آپ کی عمر؟''

مریضہ نے کہا: ''۲۸ سال۔''

ڈاکٹر نے کہا: ''محترمہ آپ کو یقین ہے نا کہ آپ کی یہی عمر ہے کیوں کہ میں آپ کی عمر کے حساب سے بے ہوشی کی دوا مقرر کروں گا۔''

مریضہ نے کہا: ''۳۰ سال۔''

ڈاکٹر نے کہا: ''آپ دیکھ لیجیے، دوا کی کم یا زیادہ مقد
سے آپ یا تو آپریشن کے دوران ہی ہوش میں آ
ہیں یا پھر آپ کومے میں بھی جا سکتی ہیں۔''

مریضہ: ''۳۸ سال۔''

ڈاکٹر نے کہا: ''اگر آپ عمر غلط بتائیں گی تو دوا کی
بیش مقدار کا سیدھا اثر گردوں پر پڑتا ہے اور وہ فیل
ہو سکتے ہیں۔''

ذرا کھلکھلائیے

مریضہ نے چیختے ہوئے کہا: "۴۹ سال اور اب بھلے آپریشن تھیٹر سے میری لاش ہی کیوں نہ نکلے، میں اس سے زیادہ عمر بالکل نہیں بڑھاؤں گی۔"

مرسلہ: محمد عمر بن عبدالرشید، کراچی

☆......☆

پانی کا کنواں

امیر آدمی نے گاؤں والوں کے لیے پانی کا کنواں کھدوایا۔ کنواں کھودتے وقت بہت سے بچے اردگرد جمع ہوگئے۔

امیر آدمی نے کہا: "یہاں سے چلے جاؤ ورنہ گڑھے میں گر جاؤ گے۔"

ایک بچہ معصومیت سے بولا: "جی نہیں جو دوسروں کے لیے گڑھا کھودتا ہے وہی اس میں گرتا ہے۔"

مرسلہ: مرزا تیمور بیگ

☆......☆

شیخی

شیخی خور اپنے سیاح دوست سے: "میں نے ایک گرم ملک کی سیر کی، وہاں کی مرغیاں اُبلے ہوئے انڈے دیتی ہیں۔"

اس پر دوسرا شیخی خور بولا: "میں نے ایک سرد ملک کی سیر کی ہے، لوگ بولتے تھے تو الفاظ جم جاتے تھے اور پھر انھیں پگھلا کر مطلب نکالا جاتا تھا۔"

مرسلہ: کومل فاطمہ اللہ بخش، لیاری

☆......☆

ایک سے بڑھ کر ایک

زبان اور دانت آپس میں لڑ پڑے۔

دانت بولا: "ذرا سنبھل کر رہنا ورنہ تم ایک اور ہم بتیس ہیں ابھی کے ابھی تیرا قیمہ بنادیں گے۔"

زبان مسکراتے ہوئے بولی: "زیادہ دھمکیاں نہ لگاؤ ورنہ ابھی میں نے کسی سے بس ایک فقرہ کہنا ہے اور آپ بتیس کے بتیس منھ سے باہر پڑے ہوں گے۔"

مرسلہ: طٰہٰ یاسین، حیدرآباد

☆......☆

شکار

ایک صاحب کو شکار کھیلنے کا بے حد شوق تھا لیکن وہ اپنی معذوری کی وجہ سے ہمیشہ وہیل چیئر پر سوار رہتے تھے جس کی وجہ سے وہ کبھی شکار کھیلنے نہ گئے۔ ایک دن ان کی یہ خواہش پوری کرنے کے لیے ان صاحب کے پوتے انھیں جنگل لے گئے کہ اچانک شیر آگیا۔ شیر کو دیکھ کر دونوں پوتے اپنے دادا کو وہیں چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ دونوں جب گھر پہنچے تو ہانپتے ہوئے اپنی والدہ سے بولے: "امی جان! دادا جان کو شیر نے کھالیا۔"

"بکواس بند کرو۔" امی جان غصے بھرے لہجے میں بولیں۔ "تمھارے دادا جان تمھارے آنے سے دس منٹ پہلے ہی گھر پہنچ گئے ہیں۔"

مرسلہ: محمد عمر بن عبدالرشید، کراچی

☆......☆

بہادر

ایک آدمی: میرے دادا جی اتنے بہادر تھے کہ انھوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگ میں دشمنوں کی ٹانگیں تک کاٹ دی تھیں۔

آدمی: گردنیں کیوں نہیں کاٹیں؟

آدمی: کیوں کہ وہ پہلے ہی کٹی ہوئی تھیں۔

مرسلہ: مرزا ہادی بیگ، لطیف آباد

☆......☆

صحت مند

نرس: ڈاکٹر صاحب غضب ہوگیا جس آدمی کو آپ نے ابھی مکمل طور پر صحت مند قرار دیا تھا باہر نکلتے ہوئے دہلیز پر گر کر مر گیا ہے۔

ڈاکٹر: اس کی لاش کی پوزیشن کو بدل دو ایسا لگے کہ جیسے وہ اندر آرہا تھا۔

مرسلہ: فلک بنت ندیم، حیدرآباد

☆......☆

گھبراہٹ

تین سال سے بے تحاشہ بارش ہو رہی تھی

ایک محفل میں کسی شخص نے کہا: "زمین میں جو کچھ بھی ہے اس دفعہ کی بارش میں سب باہر آجائے گا۔"

یہ سن کر مُلا نصر الدین گھبرا کر بولے: "یا اللہ اگر میری تینوں بیویاں نکل آئیں تو کیا ہوگا؟"

مرسلہ: حفصہ خالد عزیز، کراچی

☆......☆

بادشاہ کی پسند

ایک بادشاہ نے اعلان کروایا کہ جو کوئی میری پسند کا پھل لائے گا میں اُسے ہیرے جواہرات سے نوازوں گا، اور اگر پسند نہ آیا تو وہی پھل اُسے نگلنا بھی پڑے گا۔

"پہلا آدمی بادشاہ کی خدمت میں بیر لے کر حاضر ہوا جو بادشاہ کو پسند نہ آیا اور وہ سانس روک کر بیر نگل گیا۔"

"دوسرا آدمی سیب لایا اور وہ بھی بادشاہ کو پسند نہ آیا تو اُسے سیب نگلنے کو کہا گیا۔

یہ سنتے ہی وہ آدمی زور زور سے رونے لگا اور پھر یک دم زور زور سے ہنسنے لگا۔"

بادشاہ نے رونے اور ہنسنے کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا کہ "رویا اس لیے کہ میں یہ سیب نہیں نگل سکتا اور ہنس اس لیے رہا ہوں کہ باہر ایک آدمی تربوز لیے کھڑا ہے۔"

مرسلہ: ارسلان شیخ، پنڈی

☆......☆

سلائی

ساجد: درزی سے، پینٹ کی سلائی کتنے کی ہے؟

درزی: صرف ۳۰۰ روپے۔

ساجد: اور نیکر کی۔

درزی: ۱۰۰ روپے۔

ساجد: نیکر ہی دو بس لمبائی ٹخنے تک رکھنا، بھئی ہمیں نماز بھی تو پڑھنی ہوتی ہے۔

مرسلہ: محمد سلمان فاروق، کراچی

☆......☆

ساتھی نے کیا دیا؟

نیر کاشف

نیر کاشف اپنی ماضی کی یادوں کو کن انکھیوں سے دیکھنے کی کوشش کر رہی ہیں

بچپن سے سن رکھا تھا کہ بہترین دوستوں میں سے ایک دوست کتاب ہے۔ نہ جانے یہ بات پہلے سمجھ آئی یا کتابوں سے دوستی پہلے ہوگئی، ان دوستوں میں وہ دوست جو میرے بچپن سے میرا ساتھ نبھاتا آرہا ہے وہ ہے میرا پیارا ساتھی۔ آنکھ کھلی تو اپنے بھائی جان کی معلوماتی و ادبی کتب کا ڈھیر اور گر پایا ماہانہ

رسائل و جرائد کی الگ فہرست ہے اور اس میں جو سب سے اپنا اپنا لگتا تھا، وہ تھا ساتھی۔ سچ تو یہ ہے کہ مجھے پہلی بار ساتھی سے ملاقات بالکل بھی یاد نہیں، یوں کہا جاسکتا ہے کہ جیسے اپنے اردگرد اپنے والدین، بہن بھائیوں کو پایا ویسے ہی ساتھی کو پایا۔

ساتھی ہمیشہ بھائی جان کے توسط سے گھر آیا کرتا تھا، یہ بھی یاد ہے کہ بچپن میں جب ہم نے ایک نظم لکھی تو ہمارے بھائی جان نے اپنے دوست کی آمد پر (جو اس وقت مدیر ساتھی تھے ہماری یادداشت کے مطابق) انھیں سنوائی۔ ہمارے زندگی کا سب سے پہلا خواب جانتے ہیں کیا تھا؟ کہ ہمارے نام کے ساتھ ہماری لکھی ہوئی تحریر شائع ہو اور آپ کو معلوم ہے جی ہاں 'ساتھی' میں شائع ہونا ہی ہماری خواہش تھی۔ البتہ ایک مسئلہ ضرور تشویش ناک حد تک ہمارے سر پر سوار رہا اور وہ یہ کہ کہانی تو چلو ہم جیسی تیسی لکھ لیں گے لیکن اس کے لیے تصویریں کس طرح بنائیں گے ای ہاں ہم یہی سمجھتے تھے کہ لکھنے والا خود ہی تصویر بنا کر بھیجتا ہے۔ خیر جناب! ساتھی کے ساتھ کا یہ اثر ہوا کہ اردو ہمارا پسندیدہ ترین مضمون بن گیا اور اس میں ہمارے نمبر بھی ہمیشہ اچھے آئے (باقی مضامین؟ رہنے دیجیے نا)، اکثر ہم ساتھی میں شائع ہونے والے مضامین بڑے سنجیدہ انداز میں پڑھ کر ریکارڈ کرتے، ساتھی کا بڑا احسان ہمارے اوپر یہ ہے کہ معلوماتی مضامین جو ہمیں خشک اور نہایت روکھے لگتے تھے، خاص انداز میں تصاویر اور مزیدار جملوں کے ساتھ نظر آنے لگے تو دلچسپی بھی پیدا ہوئی۔ اپنی بھتیجی نور العین کے ساتھ ساتھی میں شائع ہونے والی نظموں کی طرز بنا کر جھوم جھوم گانے کا کام تو ہم نے میٹرک کے بعد تک کیا ہے۔

جو کرتے ہیں محنت وہ پائیں گے راحت
کہ راحت بھی ہے ایک انمول دولت

یہ نہ جانے کس کی نظم ہے جو ہم نے قوالی بنا کر مزے سے گائی تھی، وہ آج بھی یاد ہے۔ ساتھی سے متاثر ہو کر ہم نے اور ہماری بھتیجیوں نے (جو ہم سے عمر میں کچھ چھوٹی

زمزمہ

یہ ایک تاریخی "توپ" ہے جسے احمد شاہ ابدالی کے حکم سے اس کے وزیر شاہ ولی نے ۱۷۵۷ء میں بنوایا۔ اس کی لمبائی ۱۴ فٹ ۴/۱-۴/۱۔۱۴ انچ اور نال کا قطر ۲/۱-۱۹ انچ ہے۔ اس کا گولہ آہنی ہوتا ہے۔ احمد شاہ ابدالی نے ۱۷۶۱ء میں اس توپ کو پانی پت کی جنگ میں مرہٹوں کے خلاف استعمال کیا اور کابل جاتے ہوئے لاہور کے گورنر کے سپرد کر دیا۔ ۱۷۶۲ء میں یہ توپ ایک سکھ جرنیل ہری سنگھ بھنگی کے قبضے میں آگئی اور "بھنگیوں کی توپ" کے نام سے مشہور ہوئی۔ اور وہ اس کو لاہور لے آیا۔ جب انگریزوں نے لاہور پر قبضہ کیا تو انہوں نے اسے شاہراہ قائد اعظم (مال روڈ) پر یونیورسٹی اور عجائب گھر کے درمیان بطور نمائش رکھ دیا ہے۔ اگر آپ دیکھنا چاہتے ہیں تو اس کیلئے آپ کو لاہور جانا پڑے گا۔

مرسلہ: صائم علی، کراچی

تھیں) اپنے اپنے رسالے بھی نکالے، بعض اوقات مشترکہ رسالے نکالے جن کی خوب تیاری کی جاتی تھی ارشی تصاویر بنا کر رنگ بھرتیں تو عینی لطائف اور نظمیں جمع کرتیں، ہماری کوشش ہوتی تھی کہ اس میں تمام تخلیقات ہماری اپنی ہوں، اس رسالے کو ہم پوری طرح ساتھی کی طرز پر بنانے کی کوشش کرتے تھے۔ پھر ایک وقت ایسا بھی آیا جب ہم نے اپنی ایک کہانی عزم کے نام سے ساتھی بھیجی ان دنوں ہمارا خط بے حد خراب ہوا کرتا تھا، بھلا ہو عینی کا جس نے ہماری کہانی کو صاف ستھری لکھائی میں تحریر کیا اور حیرت انگیز بات یہ کہ اگلے ماہ ہماری کہانی ساتھی میں شامل تھی۔ اُف! مت پوچھیے اس دن ہمیں ہوائیں کیسے اُڑائے اُڑائے لیے چل رہی تھیں۔ یہ الگ بات ہے کہ خرم، مصعب اور شاہد نے ہماری کہانی کا خوب خوب مذاق اُڑایا تھا کہ یہ کیا فلسفہ لکھا ہے! بس جی پھر تو ہم ہوتے اور کبھی گھر کی چھت کا کوئی گوشہ، کبھی کالج کا لان، کبھی جامعہ کی لائبریری، خاص بات یہ رہی کہ کوئی بھی کہانی کبھی مسترد نہیں ہوئی اور ہاں یہ تو بتانا بھول ہی گئے کہ پہلی کہانی کے شائع ہونے پر ہم نے اپنا نام اور اپنی کہانی دونوں ہی غور سے نہیں دیکھے لیکن اس کے ساتھ بنے ہوئے خاکے کو بار بار دیکھا۔

خیر جناب! یہ سفر یونہی چلتا رہا اور ایک دن ساتھی کے دفتر سے فون آیا کہ آپ کو ساتھی رائٹرز ایوارڈ کے لیے نامزد کیا گیا ہے، یقین جانیے ہمیں نامزد کے معنی معلوم تھے لیکن ہم نے پھر بھی کئی مرتبہ لغت سے نامزد کے معنی دیکھے، آہ! ایو یکیو کلب گلشن اقبال تک کا وہ سفر جو ہم نے اپنے پیارے بھائی جان اور عینی کے ساتھ کیا طویل تر ہوتا جا رہا تھا اور بالآخر ہمیں یقین آگیا کہ نامزد کے وہی معنی درست ہیں جو ہم بچپن سے جانتے تھے اور جو لغت بتاتی ہے۔ اگلا ایوارڈ وصول کرنے کا فون خرم صاحب نے سنا اور ایوارڈ کی خوشخبری دینے والے کو یہ خبر سنا دی کہ صاحب! جس دن آپ نے نیر کو ایوارڈ دینے کے لیے بلایا ہے، اس دن تو وہ زندگی کا بڑا اہم ایوارڈ وصول کرنے جا رہی ہیں اور یوں اس تقریب میں ہم شریک نہ ہو سکے۔ اب صورتحال کچھ یوں ہے کہ ساتھی اب بھی ہمارا پیارا ساتھی ہے اور ہمارے ساتھ ساتھ ہمارے تین بیٹوں اور ایک بیٹی صاحبہ کا بھی پسندیدہ ہے، جی ہاں چار سالہ ننھے اسماعیل کا بھی جو ساتھی موصول ہونے کے پہلے دن اس پر مکمل قبضہ رکھتے ہیں، پرانے ساتھی سے بہلانے کی کوشش کی جائے تو کہتے ہیں 'نیا والا ساتھی چاہیے'۔ میرے بچوں کو میری زبان اور میری اقدار و روایات سے جوڑنے میں ساتھی، واقعی میرا مخلص ساتھی ہے اور ہاں جتنی خوشی ہر بار ساتھی میں تحریر شائع ہونے پر ہوتی ہے نا آج تک کسی اور جگہ اشاعت پر وہ خوشی نہیں ملتی اور جناب اب ہمارا ساتھی ہمارے بہت سارے شاگردوں کا بھی 'پیارا ساتھی' بن چکا ہے۔

☆......☆

ہم بھول گئے تھے

محمود عالم

قائد کا ہمارے تھا فرمان
اسلام ہماری ہے پہچان
آئین ہمارا ہے قرآن
اب ہوگی ہر مشکل آسان
کرنا ہے ہمیں اب یہ پیمان
اسلامی ہوگا پاکستان
ہم بھول گئے تھے عہد وفا
یوں ہم کو اس کی ملی سزا
اک بازو ہم سے ہوا جدا
نہ خدا ملا، نہ صنم ملا
اسلام کو نافذ کرنا تھا
وہ کر نہ سکے جو کرنا تھا
پھر بغض و تعصب در آیا
دشمن ہوا بھائی کا ماں جایا
الحاد نے پھر پنجہ گاڑا
جمہور کی پلٹی یوں کایا
غیروں کی غلامی کر بیٹھے
آزادی گنوادی گھر بیٹھے
سب کو انصاف دلائیں گے
پھر منزل اپنی پائیں گے
اسلام کو نافذ کرنا ہے
جو کر نہ سکے اب کرنا ہے

آسان نسخہ

فائزہ رابعہ

بھئی تم فرید کو تھوڑی دیتے ہو..... بھیا نے سسپنس پیدا کیا

اللہ ہی جانے ایک دم سے کالی گھٹائیں کہاں سے اُمڈ اُمڈ کر آگئیں۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں نے گرمی کے ماروں کو سکھ کا سانس لینے کا موقع دیا اور..... لیجیے جناب! آسمان سے بجلی چمکنے اور بادل گرجنے کی آواز کے چند لمحوں بعد ہی تیز موسلا دھار بارش شروع ہوگئی۔ بچے بڑے سب کے چہروں پر خوشیاں ہی خوشیاں تھیں۔ چھوٹے بچوں نے تو فوراً قمیص شلوار اتار کر نیکر پہنی اور گلی میں نہانے کے لیے چلے

گئے..... ٹھنڈی مست ہوائیں جھوم جھوم کر آرہی تھیں..... بارش کے قطرے جیسے ان سب کے ساتھ خوشی میں شامل ہونا چاہتے تھے..... دیکھتے ہی دیکھتے جل تھل کا سماں ہوگیا..... گلی کے کسی گھر میں سے نکل کر پکوڑوں کے تلنے کی سوندھی سوندھی خوشبو..... بچوں کی ناک تک پہنچی..... بلال نے کچھ دیر اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ کس گھر سے خوشبو آرہی ہے..... جب پتا چل گیا تو ناک کی سیدھ میں خوشبو والے گھر میں جانے کے بجائے اپنے گھر میں داخل ہوا۔

"امی امی..... گرما گرم پکوڑے اور گلگلے....." بلال نے برآمدے میں جائے نماز پر بیٹھی امی کو دیکھتے ہی کہا۔

"ہاں واقعی..... اس موسم میں تو خواہ مخواہ ان چیزوں کا دل چاہتا ہے..... بھیا نے کہا کس چیز کا دل چاہتا ہے بلو کا....." دادی اماں نے بھی اندر آتے ہوئے پوچھا۔

"دادی جان میرے دوست کے ہاں سے پکوڑوں کی خوشبو آرہی تھی۔ میں نے سوچا ہم بھی موسم کا مزا اٹھائیں۔"

"اے رشیدہ، بنادو ناں....." دادی اماں نے سفارش کی۔

امی نے جائے نماز لپیٹی اور باورچی خانے کا رخ کیا اور پھرتی سے گلگلے، پکوڑے بنانے لگیں۔ یہ کون سا مشکل کام تھا، امی تو ایک وقت میں پانچ پانچ چیزیں بنانے کی ماہر تھیں۔ پکوڑوں، گلگلوں کی کیا حیثیت تھی آٹے میں چینی پانی ڈالا اور انڈہ پھینٹ کر گلگلے بنا لیے، بیسن میں آلو، پیاز، انار دانہ نمک مرچ ڈال کر پکوڑوں کا مسالا تیار..... چٹ پٹے پکوڑے اور گلگلے آئے تو سب مل کر کھانے لگے۔

امی نے ایک پلیٹ میں تھوڑے سے گلگلے اور پکوڑے ڈالے، دوسری پلیٹ سے ڈھک کر بلال کو پکڑائے.....

"بیٹا جاؤ بھاگ کر فرید کی امی کو دے آؤ۔"

بلال نے منھ بنایا....."میں نہیں جاؤں گا.....اور مجھے نہیں دوں گا اس خود غرض کو پکوڑے، گلگلے..... جب بھی کوئی چیز بنتی ہے۔ ہم ہی دیتے ہیں۔ کبھی ان کے گھر سے ہمارے ہاں کوئی چیز آئی..... آنٹی تو بھلے بھیج بھی دیں لیکن فرید مزید کنجوس کبھی چوں مجال ہے کبھی کوئی چیز دے، میں نے ہمیشہ اسے اپنے لنچ میں شریک رکھا۔ آئس کریم منگوائی تو اس کو بھی دی، برگر کھانے لگا تو وہ بھی آدھا کر کے اس کے حوالے کیا، اس نے کبھی بھولے سے بھی صلح نہیں ماری۔" بلال بہت دکھ سے بولا۔

"تمھیں دکھ کس بات کا ہے؟ چیزوں میں حصہ اس کا شامل کرنے کا یا اس کی طرف سے کوئی چیز نہ ملنے کا....." بھیا نے گہری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

بلال گڑبڑا سا گیا..... کیا کہے اور کیا نہ کہے۔

"دیکھو میری بات سنو، امی اس لیے فرید لوگوں کے ہاں چیزیں بھجواتی ہیں کہ وہ ہمارے دائیں ہاتھ کے پڑوسی ہیں اور قرآن مجید میں بار بار پڑوسیوں کا خیال رکھنے کی تلقین آتی ہے، رہی بات تمھاری تو تم جانتے ہو وہ شروع سے تمھارا کلاس فیلو ہے، سیٹ فیلو ہے..... اب

وضاحت کرو تم کیوں نہیں ان کے ہاں جانا چاہتے؟"
بھیا نے پوچھا۔
"بھیا.....اس نے کبھی بھی میری چیزوں پر شکریہ ادا نہیں کیا؟ اور اکیلے اکیلے کئی طرح کی چیزیں کھاتا ہے، میں سامنے ہوتا ہوں پھر بھی اس نے جھوٹے منہ بھی کبھی مجھے نہیں پوچھا۔" بلال نے آہستہ آہستہ بات مکمل کر ہی لی۔
"بس یہی بات ہے یا کچھ اور؟" بھیا نے کہا۔
بلال چپ رہا۔
"میں تمھیں ایک ترکیب بتاتا ہوں اگر تم عمل کرو تو تمھیں کبھی رنج نہیں ہوگا کہ وہ تمھیں چیزیں کیوں نہیں دیتا۔" بھیا تھوڑا سا مسکرائے اور بولے۔ "پہلی بات یہ کہ تم یہ سوچ کر مطمئن ہو جاؤ کہ اللہ کے ہاں تم ناشکرے یا بخیل نہیں لکھے جاؤ گے اور نہ ہی یہ تم سے کبھی پوچھا جائے گا کہ فرید تمھیں چیزیں کیوں نہیں دیتا تھا......دوسرا یہ کہ تم جب بھی اسے کچھ دو یہ مت سوچا کرو کہ تم یہ فرید کو دے رہے ہو۔"
"کیا مطلب؟" بلال کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔
"بھئی تم فرید کو تھوڑا ہی دیتے ہو؟" بھیا نے سسپنس پیدا کیا اور بات جاری رکھی، "تم تو اپنے اللہ جی کو دیتے ہو......تم نے وہ حدیث نہیں پڑھی کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ایک بندے سے کہیں گے۔ اے بنی آدم میں بھوکا تھا، تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا؟ تو بندہ پریشانی سے پوچھے گا اے اللہ آپ تو بھوک پیاس سے بے نیاز ہیں، میں آپ کو کیسے کھلاتا؟ اس پر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے

انمول باتیں

☆ اخلاق ایسا ہیرا ہے جو پتھر کو بھی کاٹ سکتا ہے۔
☆ عادت ایسی زنجیر ہے جو دیکھنے میں چھوٹی نظر آتی ہے مگر عمر بھر نہیں ٹوٹتی۔
☆ بہترین جہاز راں وہ ہے جو طوفانوں کو اپنے فائدے میں استعمال کرے۔
☆ اگر وقت کی ڈور انسان کے ہاتھ میں ہوتی تو وقت کبھی ایک سے زیادہ چال نہ چلتا۔
☆ اگر اپنے آپ کو بہتر بنانا چاہتے ہو تو غصے کو شہد سمجھ کر پی جاؤ۔
☆ دولت مند ہونے سے انسان اپنے آپ کو بھول جاتا ہے اور دولت نہ ہونے سے لوگ اسے بھول جاتے ہیں۔

مرسلہ: کلثوم انور، لاہور

تمھاری بستی میں فلاں شخص بھوکا تھا۔ تم اسے کھانا کھلاتے تو گویا مجھے کھانا کھلاتے۔"
بلال کی آنکھوں میں چمک آ گئی...... یہ تو اس نے سوچا ہی نہ تھا، بھیا نے پھر اسے مخاطب کیا...... "جب تم یہ سوچ کر اسے کچھ دو گے تو دیکھنا تم بہترین چیز دوسروں کو دو گے...... اور جواب میں کچھ نہ بھی ملا تو یقیناً یہی سوچ خوش کر دے گی کہ جنت میں جمع شدہ چیزیں لے لو گے۔"
بلال اٹھا...... اپنے حصے میں سے بھی کچھ پکوڑے مزید پلیٹ میں ڈالے اور محبت کے ساتھ فرید کے گھر روانہ ہو گیا۔

☆......☆

ساتھی مصوری

☆ مصوری بھیجنے والے ساتھی اپنی ڈرائنگ میں گہرے رنگوں کا استعمال کریں۔ ڈرائنگ شیٹ یا پھر A4 سائز کا سادہ کاغذ استعمال کریں۔ ڈرائنگ کے اوپر اپنا نام ہرگز تحریر نہ کریں بلکہ کاغذ کی پشت پر اپنا نام، فون نمبر، پتا ضرور لکھیں۔ ☆ برقی پتے (ای میل) کے ذریعے ڈرائنگ بھیجنے والے اپنی تصاویر کو اسکین کر کے بھیجیں، موبائل کی تصویر قابل قبول نہیں ہوگی۔

بہترین مصوری پر ڈیئر پنسل اور بال پین بنانے والے ادارے
'انڈس پنسل انڈسٹریز' کی جانب سے حاصل کیجیے خاص تحفہ

سیدہ فاطمہ

سارہ قریشی

محمد واجد شرف

وردہ جاوید

رافعہ بنت فاروق

بگ بینگ نظریہ

حسام چندریگر

کائنات کی تخلیق کے بارے میں ایک نظریہ یہ ہے کہ پندرہ ارب سال پہلے کچھ بھی موجود نہیں تھا پھر اچانک ایک بڑا دھماکا ہوا جس سے یہ کائنات وجود میں آئی۔ اس نظریہ کو 'بگ بینگ' کہتے ہیں، تاہم یہ ایک نظریہ ہی ہے۔

سائنس دانوں کا خیال ہے کہ خلا، وقت، مادہ اور توانائی اسی دھماکے کا نتیجہ تھی جو دھماکے کے بعد بہت ہی کم وقت میں پیدا ہو گئیں۔

''وہ (اللہ) آسمانوں اور زمین کا موجد ہے، اور جس بات کا وہ فیصلہ کرتا ہے، اس کے لیے بس یہ حکم دیتا ہے کہ "ہو جا" اور وہ ہو جاتی ہے'' (البقرہ ۱۱۷)

خدا کو نہ ماننے والے سائنس دان اس بات کی کوئی وجہ نہیں بتا سکتے کہ یہ دھماکا کیوں ہوا جبکہ ایک مسلمان اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ یہ کائنات اللہ کے حکم سے کچھ نہیں سے بہت کچھ بن گئی۔

نظریے کے مطابق دھماکا ہونے کے فوراً بعد کائنات ایک ذرّے کے برابر تھی جس کا درجۂ حرارت اربوں سینٹی گریڈ تھا اور وہ بہت زیادہ کثیف [گاڑھا] تھی۔ دھماکا ہونے کے بعد تمام ذرات بکھرنے لگے۔

دھماکے کے بعد کائنات کا حجم (خلا) میں اضافہ ہونے لگا اور اس کا درجۂ حرارت بھی کم ہونے لگا۔ سب سے پہلے ہائڈروجن اور ہیلیم کے ایٹم بنے۔ اگلے اربوں سال گزرنے کے بعد کہکشائیں اور بڑے ستارے وجود میں آئے اور پھر سیارے بننے لگے جو آپس میں کشش ثقل کی وجہ سے ایک دوسرے کے گرد گھومنے لگے۔

۱۹۶۵ء میں ہونے والی ایک تحقیق نے اس نظریے کی تائید کی جس میں خلا کی ہر سمت سے آنے والی مائیکرو ویو تابکاری شعاعوں کا تجزیہ کیا گیا۔ سائنس دانوں کا کہنا ہے کہ ہماری کہکشاں کے قریبی کہکشاؤں کے سوا خلا میں اور جتنی بھی چیزیں ہیں وہ ہم سے مسلسل دور جا رہی ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ کائنات میں موجود تمام مادہ اور توانائی پہلے صرف ایک نقطے پر موجود تھی اور دھماکے کے بعد دور

بگ بینگ کے بعد کائنات کے مختلف حصوں سے آنے والے شعاعوں کا نقشہ

جانے لگیں جس سے کائنات کا حجم بڑھنے لگا اور ایک خیال کے مطابق بڑھتے بڑھتے رک جائے گا اور دوبارہ تمام چیزیں اندر کی طرف واپس آنے لگیں گی۔

کائنات کی پیدائش

بگ بینگ کے چند ہی لمحوں بعد مادے کی پیدائش ہوئی اور درجۂ حرارت کم ہونے سے الیکٹران، پروٹان، اور نیوٹران پیدا ہوئے جن سے مل کر ایٹم وجود میں آیا

۱: بگ بینگ دھماکا

۲: چند لمحوں بعد درجۂ حرارت کم ہونے سے پروٹان اور نیوٹران وجود میں آئے

۳: مزید کچھ دیر بعد پروٹان اور نیوٹران کے ملنے سے ہائڈروجن اور ہیلیم کے مرکز (نیوکلیس) وجود میں آئے

۴: تین لاکھ سال بعد الیکٹران نیوکلیس کے گرد گھومنے لگے، جس کے بعد کائنات میں روشنی پیدا ہو گئی

۵: ایک ارب سال بعد مادوں کے درمیان کشش ثقل کی وجہ سے کہکشائیں بنیں

۶: پندرہ ارب سال بعد کشش ثقل ہی کی وجہ سے سیارے بنے اور وہ کائنات بنی جسے آج ہم دیکھ رہے ہیں

کائنات کے مکمل رازوں سے اللہ ہی باخبر اور ساری باتوں کا جاننے والا ہے

"وہی ہے جس نے آسمان و زمین کو برحق پیدا کیا ہے اور جس دن وہ کہے گا کہ حشر ہو جائے اسی دن وہ ہو جائے گا......" (الانعام ۷۳) (ترجمہ از مولانا مودودی)

جنگلی گلابوں والا برفانی تودا.....سیاچن

رانا محمد شاہد

جہاں دشمن سے زیادہ موسم کی بے رحمی کا سامنا رہتا ہے

سیاچن...... بلتی زبان کا لفظ ہے اس کے معنی ہیں سیاہ گلاب یا جنگلی گلاب۔ گلیشیر تو آپ جانتے ہی ہیں 'برفانی تودے' کو کہتے ہیں تو یوں سیاچن گلیشیر کا لفظی مطلب ہوا۔ ''جنگلی گلابوں والا برفانی تودا۔'' سیاچن گلیشیر ۱۹۰۷ء میں دریافت ہوا۔ ۷۵ کلومیٹر لمبے اور ۸.۴ کلومیٹر چوڑے اس گلیشیر پر کوئی انسانی آبادی

نہیں ہے۔ سیاچن دنیا کی دوسری بلند ترین چوٹی کے ٹو سے ۷۰ کلومیٹر جنوب مشرق میں پاک چین سرحد پر واقع درہ اندرو کول سے شروع ہوتا ہے۔ یہاں سے یہ جنوب مشرق کی سمت تالتورو رینج کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتے ہوئے لداخ کے قریب مقبوضہ کشمیر میں واقع ونگز لمانامی ایک چھوٹے سے گاؤں کے قریب دریائے نبرا میں داخل ہو جاتا ہے۔

سیاچن گلیشیر (یا برف زار) سطح سمندر سے ۱۸۸۷۵ فٹ بلند ہے۔ امریکی خلائی ادارے ناسا کے اعداد و شمار کے مطابق سیاچن کی برف کا حجم ۲ ٹریلین مکعب فٹ ہے۔ سیاچن دنیا کا دوسرا طویل ترین گلیشیر ہے اور یہ دنیا کا بلند ترین محاذ جنگ ہے۔

پاکستان کے اس بڑے گلیشیر کی تمام کی تمام جگہ برفیلی ہے۔ اسے برف کا دوزخ بھی کہہ سکتے ہیں۔ گرمیوں میں اس کا درجہ حرارت منفی ۱۲ سے ۳۲ تک ہوتا ہے جبکہ سردیوں میں منفی ۳۰ سے ۵۰ تک چلا جاتا ہے۔ یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ گرمی کے موسم میں بھی یہاں کی سردی برداشت نہیں کی جا سکتی۔ موسم کی اس شدت میں زندگی نہیں ہوتی۔ ۷۵ کلومیٹر طویل اور ۸.۴ کلومیٹر چوڑے سیاچن کے علاقے میں آج تک گھاس کے ایک پتے نے بھی جنم نہیں لیا۔ یہاں سے کسی جانور و پرندے کا گزر بھی نہیں ہوتا۔ سیاچن گلیشیر کو پاکستان کا حصہ سمجھا جاتا ہے۔ اس لیے دنیا بھر میں جتنی بھی کوہ پیما ٹیمیں اس علاقے کی چوٹیاں سر کرنے کے لیے آئیں۔ ان سب نے حکومت پاکستان سے ہی اجازت نامہ حاصل کیا۔ لمبائی کے لحاظ سے دنیا کے دوسرے بڑے گلیشیر کو سب سے پہلے ڈاکٹر سیف ارنگ نے دریافت کیا تھا۔

سیاچن گلیشیر کشمیر کی طرف سے ۱۶ سے ۲۲ ہزار فٹ کی بلندی پر ہے۔ پاکستان کی طرف سے سیاچن گلیشیر پر جانے کے لیے گلگت سے اسکردو اور اسکردو سے آگے 'ڈم سم' کے علاقے کی طرف جانا پڑتا ہے۔ یہاں سے

سب سے پہلے

☆ قرآن پاک کے سب سے پہلے مفسر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود تھے۔

☆ سب سے پہلی اذان حضرت بلال حبشیؓ نے مسجد نبویؐ میں دی۔

☆ اسلام کی سب سے پہلی شہید خاتون حضرت سمیہؓ تھیں۔

☆ اسلامی لشکر کی قیادت کرنے والی سب سے پہلی خاتون ام المومنین حضرت عائشہؓ تھیں۔

☆ سب سے پہلے بسم اللہ لکھنے کا شرف حضرت خالد بن سعیدؓ کو حاصل ہوا۔

☆ قرآن مجید کا سب سے پہلا ترجمہ ۱۱۴۳ء میں لاطینی زبان میں ہوا۔

☆ قرآن مجید کا سب سے پہلا فارسی ترجمہ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے کیا۔

مرسلہ: محمد سعدین خان، کراچی

سیاچن گلیشیر کی بلندی اٹھارہ ہزار فٹ ہے۔ 'ڈم سم' سے آگے 'گوما' کا علاقہ آتا ہے۔ پھر مختلف درے آتے ہیں۔ سب سے پہلے 'درہ سالتورہ' پھر 'درہ بلافوندلا' اور پھر 'درہ گیانگ' سے ہوتے ہوئے سیاچن تک جایا جاتا ہے۔ یہاں یہ بات بھی اہم ہے کہ سیاچن تک پہنچنا اتنا آسان بھی نہیں۔ وہاں پہنچنے سے پہلے ہی ٹھنڈی اور یخ بستہ ہواؤں سے ہمت جواب دے جاتی ہے۔ پھر ان ہواؤں سے لڑتے ہوئے یہ سفر اتنا مشکل ہو جاتا ہے کہ منزل پر پہنچتے پہنچتے کئی دن اور کئی راتیں لگ جاتی ہیں۔ پاکستان اور چین کی سرحد پر واقع 'درہ کرلی' سیاچن گلیشیر کا منبع ہے۔

آپ سیاچن کی چوٹیوں پر بغیر آکسیجن ماسک کے نہیں جا سکتے بلکہ یوں کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ آکسیجن ماسک کے بغیر آپ وہاں زندہ نہیں رہ سکتے، وہاں پر جانے کے لیے خصوصی لباس بھی درکار ہوتا ہے۔ بھاری بھرکم لباس، ہیلمٹ اور خاص قسم کے جوتوں کے بغیر آپ وہاں چند سیکنڈ بھی نہیں گزار سکتے۔ منفی ۴۰ درجہ حرارت پر دنیا کے تمام مائع جم جاتے ہیں چنانچہ آپ جسم کے کسی بھی حصے کو ننگا نہیں کر سکتے۔ اس کم ترین درجہ حرارت میں جسم ننگا کرنے کا مطلب موت ہے۔ انگلی باہر نکالیں گے تو انگلی جڑ سے غائب اور اگر ہیلمٹ اتارتے ہیں تو بھی آپ گردن سے لے کر بال تک جم جاتے ہیں۔ آپ چند گھنٹے منفی چالیس پچاس درجہ حرارت پر چلتے ہیں تو آپ کا پاؤں گھٹنے سے شل ہو جاتا ہے اور پھر پاؤں کاٹنے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہ جاتا۔ سیاچن کے آخری میدان سے متعلق تو یہاں تک کہا جاتا ہے کہ وہاں تمام تر حفاظتی اقدامات کے باوجود تیس دن سے زیادہ زندہ نہیں رہا جا سکتا۔ اس لیے وہاں تیس دن کے وقفے سے پرانے فوجیوں کو بلا کر نئے فوجیوں کو بھجوایا جاتا ہے لیکن سخت سردی کی شدت دیکھیے کہ ان میں سے بھی بہت سے 'سنو بائیٹ' کا شکار ہو جاتے ہیں۔ یہ آنکھ، کان، ہاتھ یا ٹانگ سے محروم ہو جاتے ہیں۔ 'سنو بائٹ' کا مطلب ہے کہ یہاں سردی اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ ہاتھ بغیر دستانے کے کسی چیز کو چھو جائے تو ہاتھ کا دوران خون رک جاتا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے خون جم گیا ہے اور ہاتھ سن ہو گیا ہے۔ اس کیفیت کا نام 'سنو بائیٹ' ہے۔ ایسی صورتحال میں ہاتھ بیکار ہو جاتا ہے اور بالآخر اسے کاٹنا پڑتا ہے۔

سیاچن کی لمبائی ۷۵ کلومیٹر سے زائد جبکہ چوڑائی ۵ کلومیٹر ہے۔ یہ دنیا کا بلند ترین محاذ جنگ ہے جہاں انسان کا مقابلہ انسان سے ہی نہیں بلکہ موسم کے بے رحم تھپیڑوں سے بھی ہوتا ہے۔ اس علاقے کی سیدھی اور سپاٹ چڑھائیاں برف سے اٹی ہوئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ چلتے ہوئے پاؤں زمین پر نہیں ہوتے بلکہ برف میں دھنس جاتے ہیں۔ آکسیجن کی کمی کی وجہ سے سانس لینے میں دشواری پیش آتی ہے۔ جس سے قوت مدافعت میں بھی فرق پڑتا ہے۔ بعض اوقات سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے برفانی جھکڑ بھی چلتے ہیں۔ جب سیاچن پہ ہیلی

کاپٹر لینڈ کرتا ہے تو اس کے انجن کو بند نہیں کیا جاتا بلکہ اسٹارٹ ہی رکھتے ہیں کیوں کہ خدشہ ہوتا ہے کہ آکسیجن کی کمی ہونے کی وجہ سے اگر انجن بند کر دیا تو کہیں دوبارہ اسٹارٹ ہی نہ ہو سکے۔

سیاچن پر فوجیوں کے لیے فائبر گلاس کے چھوٹے چھوٹے خیمے نصب ہوتے ہیں۔ فوجیوں کی خاص وردی اور خاص جوتے نہ ہوں تو زندہ رہنا مشکل ہو جاتا ہے۔ فوج کے آپس میں رابطے کے لیے ٹیلی فون لائنیں نصب ہیں، جو کئی کئی فٹ برف کاٹ کر بچھائی گئی ہیں۔ اگر احتیاط نہ کی جائے تو شدید قسم کے امراض (جن میں ہیلوزی اور ڈیمہ اور 'برین اوڈیم' شامل ہیں) کے حملے ہو سکتے ہیں۔ ان میں جسم کے مختلف حصوں کے مفلوج ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اسی طرح یہاں انسان کے پھیپھڑوں میں خون کی نالیوں میں ہوا کا دباؤ بڑھ جاتا ہے۔ خون پھیپھڑے کی نالیوں سے باہر آ جاتا ہے۔ یوں پھیپھڑوں میں خون بھر جاتا ہے۔ ایسے مریض کو اگر فوری طور پر آکسیجن مہیا نہ کی جائے تو موت کا شدید خطرہ ہوتا ہے۔

سیاچن میں بعض چیک پوسٹ ایسی ہیں جہاں پر بنائے گئے 'اگلو' میں چار، پانچ لوگ ہی رہ سکتے ہیں۔ اگلو کیا ہے؟ اگلو برف کے اس گھر کو کہتے ہیں جو برف کا ہی بنا ہوتا ہے اور اس کے اندر کا درجہ حرارت ایسا رکھا جاتا ہے کہ زندہ رہا جا سکے۔ صورتحال یہ ہوتی ہے کہ سوتے وقت ٹانگیں ایک دوسرے پر رکھنا پڑتی ہیں۔ یہاں کی سب سے خطرناک چیک پوسٹ یوسف چیک پوسٹ ہے جس کی بلندی ۲۱ ہزار فٹ ہے۔ ایک فوجی افسر جو اس چیک پوسٹ سے معجزانہ طور پر واپس آیا۔ اس نے بتایا کہ 'میں خود ایک چیک پوسٹ پر رہا۔ میری انگلیوں کی پوریں تک جم گئیں جبکہ میرے ساتھ جانے والے دو ساتھی شہید ہو گئے، میری زندگی لکھی ہوئی تھی، میں بچ گیا۔"

(سیاچن گلیشیر پر دشمن سے برسر پیکار اس وطن کے سپاہیوں کو پاکستانی قوم کا سلام...... کہ وہ اتنے مشکل حالات میں اپنے سے بہتر پوزیشن میں بیٹھے بدترین دشمن کا بے جگری سے مقابلہ کر رہے ہیں اور اس کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملا رہے ہیں۔ چند سال پہلے سیاچن کے گیاری سیکٹر میں ایک سو سے زائد پاکستانی فوجی جوانوں نے قوم کی غیرت کی حفاظت کرتے ہوئے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی تھی۔ قوم کے ان شہداء کی عظمت کو سلام۔)

☆......☆

اہم معلومات

☆ دنیا میں گلاب کے پھول کی ۵۰۰ قسمیں پائی جاتی ہیں۔
☆ دنیا کا پہلا ٹوتھ پیسٹ ۱۴۹۸ء میں ایک چینی دندان ساز نے چین کے بادشاہ کے لیے تیار کیا۔
☆ گوبگا پرندہ سارس کو کہتے ہیں۔
☆ خالص آکسیجن سے پھیپھڑے تباہ ہو جاتے ہیں۔
مرسلہ: حافظ نجم، کراچی

الفاظ کا تعاقب (سلسلہ نمبر ۱۵)

دوستو! ہو جائیں تیار...... کیوں کہ ساتھی لا رہا ہے اس مرتبہ...... ایک انتہائی دلچسپ انعامی سلسلہ...... نئے الفاظ تلاش کیجیے... اس میں چھپے ہیں شہروں کے نام، پرندے، ادب، تاریخی شخصیات، پھل، جانور، رنگ اور اردو زبان کے عجیب و غریب الفاظ اس میں چھپے ہوئے ہیں جو اتنی آسانی سے آپ کو ملنے والے نہیں...... لہٰذا کمر کس لیجیے...... کیونکہ بذریعہ قرعہ اندازی زیادہ الفاظ تلاش کرنے والے ساتھیوں کو اکیڈمی بک سینٹر کی جانب سے دی جائیں گی ڈھیر ساری مزے دار کہانیوں کی کتابیں...... تو پھر تیار ہیں ناں آپ... الفاظ کے تعاقب کے لیے......

ہدایات

☆...... یہ انعامی سلسلہ صرف میٹرک جماعت تک کے طلبہ و طالبات کے لیے ہے۔

☆...... اگلے صفحے پر دیے گئے چارٹ پر الفاظ تلاش کر کے بال پین کی مدد سے احتیاط سے نشان لگائیں۔ پنسل سے نشان لگانے سے گریز کریں۔

☆...... چارٹ کے پچھلے صفحے پر تلاش کیے گئے الفاظ بھی لکھیں۔

☆...... کوپن پر اپنا نام، فون نمبر اور مکمل پتا لازمی لکھیں، غلط پتے کی وجہ سے انعام واپس آجانے پر ادارہ ساتھی ذمہ دار نہیں ہوگا۔

☆...... ڈاک کے ذریعے بھیجنے والے ساتھی کوپن لازمی منسلک کریں۔

☆...... جو قارئین انعامی سلسلے میں بذریعہ ای میل شریک ہونا چاہتے ہیں انھیں کوپن کو اسکین کر کے بھیجنا لازمی ہے۔

☆...... کوپن کو ہر ماہ کی ۳۰ تاریخ تک ساتھی کے مندرجہ ذیل پتے پر روانہ کیا جاسکتا ہے، ۳۰ تاریخ کے بعد آنے والا کوپن قابلِ قبول نہیں ہوگا۔

پتا: F-206 سلیم ایونیو، بلاک 13-B ، گلشن اقبال، کراچی۔ فون 021-4976468
ای میل: monthlysathee@hotmail.com

معروف زیورات کے نام

نیچے دیے گئے چارٹ میں معروف زیورات کے نام پوشیدہ ہیں۔ جیسے دست بند وغیرہ۔ اس نام کے سوا مزید ۱۷ نام پوشیدہ ہیں جو آپ نے تلاش کرنے ہیں۔

س	پ	ش	چ	ز	ب	ز	ی	و	چ	ش	ب	ش	ھ	ا
د	ا	ب	ا	ل	ی	ا	ں	ک	ج	چ	ج	ز	ق	چ
ث	ز	ن	چ	ش	س	ق	ن	خ	ھ	ط	ر	ف	د	د
چ	و	ر	گ	ر	ل	ر	م	گ	م	ب	ا	ر	چ	ب
ا	پ	ے	چ	و	ش	و	ب	و	ک	ف	ص	گ	ی	ھ
ف	ن	ط	ا	ھ	ٹ	ع	ن	م	ی	ز	س	ہ	ق	ت
ع	د	د	د	ح	د	ھ	د	گ	ا	ف	ے	ن	ع	ر
و	اس	ش	گ	ج	ب	ٹ	ی	ق	ں	ل	د	ا	ر	ف
ر	س	ا	ج	چ	ط	ے	ا	ش	ن	ھ	ا	ط	ت	ش
ت	ش	و	ن	ھ	س	و	ھ	ط	م	ج	ش	ف	ل	ز
گ	گ	ت	ھ	ل	و	ی	ع	ب	ن	پ	ف	ھ	چ	ک
د	ب	ط	ت	ل	و	م	ف	گ	ت	ج	ا	ٹ	و	گ
س	ف	ف	د	ا	ف	ی	ر	ف	ف	ے	ع	ی	ا	ر
ا	ط	ھ	س	پ	ط	ھ	ب	ع	ر	و	ا	ک	ل	ف
آ	و	ی	ز	ے	چ	م	ط	چ	ش	و	ق	ا	ز	س

صرف ان تین سمتوں میں الفاظ تلاش کریں

کوپن الفاظ کا تعاقب (۱۵)

نام ______________________

کلاس ____________ فون ____________

پتا ______________________

____

____

جوابات

۱	________	۹	________
۲	________	۱۰	________
۳	________	۱۱	________
۴	________	۱۲	________
۵	________	۱۳	________
۶	________	۱۴	________
۷	________	۱۵	________
۸	________	۱۶	________

۱۷ ________

الفاظ کا تعاقب سلسلہ نمبر ۱۳

درست جوابات

ق	ن	ع	چ	ک	ی	و	ا	ت	غ	چ	م	ی	ل	ک
ا	ج	ب	س	ا	ھ	ث	ن	گ	غ	ھ	ف	ث	د	س
ض	ی	د	ی	ش	آ	م	خ	گ	ب	د	ب	ا	ن	س
ی	ب	ا	د	ف	ف	ع	ی	ف	د	ق	ھ	و	م	ع
س	ا	ل	ق	ش	ت	و	ا	س	ا	ص	گ	و	د	و
ر	ح	ف	م	ف	ا	ن	ء	گ	ل	ء	ے	ر	ر	و
ا	م	ر	س	ی	ب	ق	ش	ب	ح	ی	ھ	ف	ء	ک
ج	و	ی	ا	ع	ا	ی	ا	ء	ا	ب	ء	ی	گ	م
ا	ح	د	ل	ع	ل	ص	ء	ے	م	ث	ت	ع	ف	ا
ل	ن	ب	د	ا	د	ر	د	ک	و	م	ف	م	ج	ل
د	ف	ر	ی	ل	ی	م	ج	ق	د	ا	ص	ج	ک	ع
ی	ی	و	ن	س	ن	ب	د	ف	م	ل	ا	ا	ل	ب
ن	ع	د	گ	س	ا	ء	ن	م	م	ظ	ع	و	ن	ا
ز	ش	ی	ف	س	و	ی	ل	ی	ح	ا	د	د	چ	س
ط	ن	ی	س	ح	د	ہ	ا	ش	ر	ی	م	س	س	ی

کلیم چغتائی، آفتاب الدین، رفیع الدین مجاہد، اعظم منہاس، مسعود کمال عباسی، صادق جمیل، سید شمس الدین، قاضی سراج الدین، صہیب جمال، عبدالہادی، عبدالفرید بروہی، ضیا شاہد، میر شاہد حسین، راحیل یوسف، کاشف شفیع، مجیب احمد ظفر، شمعون قیصر

بذریعہ قرعہ اندازی انعام پانے والے ساتھی

۱) مہد یاسین	۳) زبیر عبدالغفار
۲) بلال احمد خان	۴) عائشہ بنت صابر
۵) سلطان احمد	

تمام درست جوابات دینے والے ساتھی

حفصہ کمال فاروقی، عبدالکریم بخش، بصیر سلطانہ، آمنہ بنت فیصل، حاشر فرحان، جویریہ دعا، عمر خان، بانیہ شفیق، رومیسہ محمد، ممتاز حسین شاہ، دعا محمد اقبال، فائزہ تاج محمد، عائشہ بنت اسرار، سید وشفین قیصر، محمد ابوہریرہ وامام حوزیہ، زینب احمد، حافظ قصی احمد، عائشہ بتول، آسیہ حسن خان، حافظ عبدالکریم، محمد عمر، عبدالرافع یوسف، سلمان فاروق، محمد سالم روحان، عبداللہ بن عمر، حنی منیر احمد، اسامہ عزیز، سمیہ فاطمہ، نور خان، شفیق نور، امیمہ نور، ملک محمد احسن، لفہ حمزہ، نفا مسعود، سید وقار علی، محمد مہد، سیدہ وانیہ محسن، عائشہ تبسم، مدثر عالم، انشاء ارشاد، محمد حبیب، حذیفہ قربانی، حماد قربانی، محمد عبداللہ، عبدالرافع، دعا مروہ، زینب بی بی، حفصہ خالد عزیز، ماریہ اسحاق، محمد ارسلان صدیقی، سید عثمان شاہ، محمد ثاقب داور، ظہور شفیق، ایمان فاطمہ، شاہ اسامہ حسین، ربابہ سلطانہ، سید معارج وسیم، سندس آسیہ، حذیفہ، محمد بلال ارمان، کبیر پرویز، حمد انصاری

ان ساتھیوں نے بھی اچھی کوشش کی

مریم محمد عیم، ازکی ندیم، ازکی غفران، سدرہ اسلم، مصعب ربی، احمد محمد نعیم، بلاول انجم، عبدالرحمٰن انصاری، طہ پرویز، سمعیہ تاج، حسام اسلم، فیض شیخ، یاسین کچی، عمیر حسن، حفیہ شیخ، جمیرہ خان، شبنم انصاری، فاطمہ علی، ابوبکر، فریحہ خان، محمود افضل، ہارش علی، اسماء معظم، ایمال خان، بابر علی، جشن کیانی، فیروز انظہر، عبدالواسع، اقصیٰ وسیم، عبدالسمیع، مروہ فاطمہ، طاہر نواز، جویریہ نثار، عبدالوسیع، جانثار بٹ، افضل شاہ، طاہر عثمانی، افضل رحیم، معظم اللہ، زین العابدین، غازی سبحان، عفیفہ نوید، صہیب شفیق، ماہ رخ، رمیز کمال فاروقی، عبدالرحمٰن اصغر، حرا ہارون، ذکی محمود، محمد شعیب، فاطمہ معین، زنیرا کلیم، عمران اقبال، خالد فاروق، قربان ساغر، اسامہ ساجد، یاسمین فاروقی، فہد اقبال، بلال ناصر، عثمان ابراہیم، محمد نوید، عثمان طارق، تو بہ نواز، نازیہ ہارون، طلحہ دانیال، مجید حسن، کامل نعیم، خورشید اقبال، عبدالوکیل، محمد ندیم، محمد سعدان فاروق، فاطمہ زرین حسن انصاری، ماہ رخ، رمیز کمال فاروقی، عبدالرحمٰن اصغر، حرا ہارون، ذکی محمود، محمد شعیب، فاطمہ معین، زنیرا کلیم، عمران اقبال، خالد فاروق، قربان ساغر، اسامہ ساجد، یاسمین فاروقی، فہد اقبال، بلال ناصر، عثمان ابراہیم، محمد نوید، عثمان طارق، تو بہ نواز، نازیہ ہارون، طلحہ دانیال، مجید حسن، کامل نعیم، خورشید اقبال، عبدالوکیل، محمد ندیم

بتعاون اکیڈمی بک سینٹر
ڈی۔۳۵، بلاک۔۵، فیڈرل بی ایریا، کراچی۔ فون: ۳۶۸۰۹۲۰۱ (۹۲-۲۱)
برقی پتا: irak.pk@gmail.com، ویب گاہ: www.irak.pk

تیسرا ٹکڑا

کہانی ایک سفر کی

محمد فیصل شہزاد

ہمارے نصیب کی بوٹیاں تو واہ کینٹ کے ایک گھر میں بھنی جا رہی تھیں

ایک دو تصویریں لیں اور ہم فرید خان المعروف شیر شاہ سوری رحمہ اللہ کی شان میں قصیدہ پڑھتے ہوئے وہاں سے لوٹ آئے۔ گاڑی میں بیٹھے تو مولانا اسماعیل ریحان صاحب کی کال آگئی۔

ان کا گاؤں خالق داد...... واہ سے قریب ہی تھا، شاید آدھے گھنٹے کی ڈرائیو پر...... ظہر کی نماز سے پہلے ہمیں وہاں کے لیے نکلنا تھا، سو ہم نے گھر واپسی کے لیے گاڑی موڑلی۔

گھر پہنچے تو جناب عصمت پاشا صاحب نے مولا[نا] اسماعیل ریحان صاحب کے گھر جانے کی بات سن ک[ر] ارادہ کیا کہ انھیں گھر کے انگور ہدیہ بھیجے جائیں۔ سو بلا[ل] سے کہا کہ سیڑھی چھت سے اتار لاؤ۔

یہ سدا کا سست کہاں جاتا...... سو فوراً بہانہ بناتے ہو[ئے] کہنے لگا:

''ابا! فیصل بھائی کے ہاتھ قانون سے بھی لمبے ہیں...... یہ تو اسٹول پر چڑھ کر بھی بڑے آرام سے انگور کے خوشے توڑ لیں گے...... ویسے بھی یہ انگوروں کے خوشے توڑنے کے بڑے شوقین ہیں!''

ابا جان بے چارے اس کی شرارت کو کیا سمجھتے، بس اپنی ست اولاد کو ڈانٹنا شروع ہی ہوئے تھے کہ ہم نے اس کی جان بخشی کراتے ہوئے خود ہی کہہ دیا کہ ''جی ہم بیری پر تو پتھر مارتے ہی رہے ہیں، آج انگوروں کے خوشے بھی توڑنے کی کوشش کر لیں گے۔''

بس پھر کیا تھا، ابا جان نے فوراً کنز منگوایا۔ اسٹول چھوٹا تھا تو اس کے اوپر دو دو کر کے چار اینٹیں رکھیں اور چپ چاپ ہمیں دیکھنے لگے......

ہم ان کی نگاہوں کا مطلب سمجھ گئے اور چڑھ گئے گھوڑی یعنی اسٹول پر......

لو جی پھر ہم سرکس کے کرتب دکھانے لگے۔ اینٹوں پر پاؤں ہمارے لڑکھڑاتے رہے۔ انگوروں کے خوشے ٹوکری میں بھرتے رہے۔ کبھی اسٹول ہمارا نوے کلو وزن برداشت نہ کرتے ہوئے ہانپتا تو کبھی ہمارا دل کسی نازک کمر جیسی شاخ پر سجے ہوئے انگوروں کے خوشے پر کٹر چلاتے ہوئے کانپتا......

آہاہا! کیا رس سے بھرے سڈول، پکے ہوئے سرخ انگور تھے...... سچی بات تو یہ ہے کہ مزہ ہی آ گیا۔ توڑتے توڑتے کسی خوشے پر دل زیادہ ہی للچا جاتا تو ہم وہیں اس پر دانت صاف کر دیتے اور بے حد خوش ذائقہ شیریں رس ہمارے منہ میں بھر بھر جاتا......

اتنے میں بلال کے ابا جان ہم سے زیادہ جوش میں آ گئے...... ہم نے حق مہمانی ادا کرتے ہوئے جہاں تک ممکن تھا، سارے خوشے صاف کر دیے تھے، مگر وہ زبان حال سے 'ہل من مزید' اور زبان قال سے ''وہ اوپر...... وہ اُدھر دیکھیے بس تھوڑا سا ہی اوپر ہے......'' کہتے جاتے...... ہم مرتے کیا نہ کرتے، اچک اچک کر ہاتھ بڑھاتے گئے مگر پھر اچانک......

☆

گاؤں خالق داد میں ایک رات!

پھر اچانک...... اسٹول لڑکھڑانے لگا۔ اس پر دھری دو منزلہ اینٹیں ہلنے لگیں اور ان پر کھڑے ہم لرزنے لگے۔ خطرہ بھانپ کر ہم نے فوراً انگور کی بیل چھوڑی اور صحن میں کھڑے ایئر کولر کو تھامتے ہوئے نیچے چھلانگ لگا دی...... یوں ہم واہ کینٹ کے ہڈی جوڑ ہسپتال کی سیر کرنے سے بال بال بچ گئے!

ہم نے اِدھر اُدھر دیکھا اور خفت مٹانے کی غرض سے ایک بار پھر نہانے کے لیے غسل خانے میں گھس گئے۔ واپس آ کر انگوروں کے ایک خوشے سے زباں کو تر اور دل کو شاد کیا...... گاڑی اور مسافر دونوں تیار تھے۔ سو کچھ ہی دیر بعد ہم خالق داد کے لیے نکل چکے تھے۔

گاؤں خالق داد پشاور روڈ پر حسن ابدال سے پندرہ بیس کلومیٹر آگے برہان کے پاس ہے۔ وہیں عصر حاضر کے مشہور اسلامی تاریخ دان اور کالم نگار مولانا اسماعیل ریحان صاحب کا مدرسہ تعلیم القرآن اور ان کی رہائش تھی۔

خالق داد پہنچنے کی بھی ایک کہانی ہے، جسے طوالت کے ڈر سے چھوڑتے ہیں...... قصہ مختصر آدھ گھنٹہ گاؤں میں خواری کے بعد ہم مولانا کے گھر پہنچ ہی گئے۔ نماز پڑھ کر پرتکلف کھانا کھایا۔ کھانے کے دوران ہی ہم نے تہہ خانے کا ذکر چھیڑ دیا۔

''مولانا! وہ تہہ خانہ تو دکھائیں، جہاں آپ دنیا والوں یعنی بیگم سے چھپ کر تصنیفی کام کرتے ہیں۔''

وہ مسکراتے ہوئے ہمیں صحن کے ایک گوشے میں لے چلے۔ ایک دروازہ کھولا تو نیچے جاتی سیڑھیاں نظر آئیں۔ سیڑھیوں نے ہمارے قدموں سے لپٹ کر انہیں بوسہ دیا اور ہمیں ایک نیم تاریک تہہ خانے میں پہنچا دیا۔

ہم سیڑھیاں کیا اترے، یوں لگا ہمارے ساتھ درجہ حرارت بھی اتر گیا ہو...... پندرہ بیس سینٹی گریڈ تو ضرور کم ہو گیا ہو گا...... ایک خوشگوار ٹھنڈک تھی۔ جس نے ہمارے تپتے بدن کو بڑھ کر بڑی شفقت سے اپنی گود میں بھر لیا......

تین چارپائیاں، لیپ ٹاپ، کمپیوٹر، کاغذ، کتابیں، قلم......

پچھلے چار برس سے اسی گوشہ عافیت میں بیٹھ کر وہ تاریخ کی خبر لیے جا رہے تھے۔ ہم سب چارپائیوں پر ڈھیر ہو گئے۔ باتوں کا ایک نیا دور چلا جس میں سنجیدگی کا تو نام و نشاں بھی نہ تھا، شوخی کا رنگ غالب تھا......

آدھ پون گھنٹے کی گپ شپ کے بعد تہہ خانے کی نی[...]
تاریکی اور ٹھنڈک نے گندم اور گوشت سے بھرے پیٹ[...]
والوں پر نیند کا نشہ طاری کرنا شروع کر دیا...... آنکھیں[...]
بوجھل ہونے لگیں تو مولانا جو کافی دیر سے پہلو بدل[...]
رہے تھے، آخر بول ہی اٹھے۔

''بھائیو! باقی باتیں قیلولہ کے بعد...... اب کچھ دیر آرا[...]
کر لیتے ہیں۔''

مرتضیٰ بھائی اور بلال نے تکلف برتا اور واپس جانے ک[...]
اٹھ کھڑے ہوئے۔ ہم نے انھیں تہہ خانے کی سیڑھیو[...]
پر ہی رخصت کیا۔ انھیں رخصت کر کے ابھی بستر [...]
دوبارہ بیٹھ بھی نہ پائے تھے کہ فرش پر ہمیں ایک عجیب [...]
شے دکھائی دی۔

اس کی ہیئت دیکھ کر کچھ عجیب سا احساس ہوا...... [...]
جھک کر دیکھا تو اس شے کو پہچان کر ہم ہکا بکا رہ گئے...... [...]
ہماری آنکھیں حلقے سے ابل پڑیں اور بے ساختہ چیخ [...]
نکل جاتی اگر بروقت منہ بند نہ کر لیتے!

زمین پر ایک بتیسی پڑی ہوئی تھی...... بالکل اصلی جیس[...]
کوئی ہنستا ہوا اور اس کے منہ سے نکل کر گر پڑی ہو!

''مم...... مولانا!...... یہ...... یہ کیا؟''

انہوں نے جھک کر دیکھا اور بری طرح گڑبڑا گئے۔

''ارے ہائیں...... یہ کم بخت یہاں کیسے؟''

''آپ...... آپ اپنا منہ کھول کر تو دکھائیں ذرا......''

''ارے سٹھیا گئے ہو کیا میاں...... ابھی تو میں جوان[...]

ہوں...... بیک وقت دو دو اخروٹ دانتوں سے توڑ کر دکھا سکتا ہوں۔"

"ارے چھوڑیے حضور، ہمیں سب معلوم ہے مگر یہ تو بتائیے، یہ ہے کس کی؟"

"شاید ہمارے پڑوسی بابا کی ہے...... وہی آئے تھے صبح...... خیر آپ چھوڑیں اور سونے کی کوشش کریں، وقت کم ہے۔"

یہ کہہ کر انھوں نے بتی گل کر دی۔ اب جو ہم بستر پر دراز ہوئے تو بس پھر عصر کی ہی خبر لائے۔

گھر کے ساتھ ہی مسجد میں باجماعت نماز پڑھ کر بندہ، مولانا اور مولانا کے ماموں جناب عمیر صاحب مدرسے کی طرف چل پڑے۔ گھر جی ٹی روڈ کے دائیں طرف والے گاؤں میں بالکل سڑک کے ساتھ ہی تھا جب کہ مدرسے کے لیے جی ٹی روڈ کراس کر کے اس پار گاؤں خالق داد جانا پڑتا تھا۔

گاؤں کی طرف جانے والے راستے میں مرکزی سڑک کے ساتھ ایک، بہت خوبصورت پودوں کی سرکاری نرسری تھی...... ہم نے جی ٹی روڈ پار کی تو ماموں عمیر صاحب نے کہا کہ گاؤں جانے سے پہلے کیوں نہ نرسری اندر سے دیکھ آئیں...... ہمارے تو دل کی مراد بر آئی...... اندر گئے تو نرسری میں ہر طرح کے پودے لہلہاتے دیکھ کر دل مسرت سے بھر گیا...... ہر قسم کے عام اور نایاب پودے، بڑے درخت، بیلیں، ادویاتی پودے اور پھلواریاں...... سچ میں بہت مزہ آیا۔

کچھ خاص پودوں کے بارے میں بڑی مفید معلومات حاصل ہوئیں مگر ان کا تذکرہ شاید قارئین کو بور کر دے۔ اس لیے آگے بڑھتے ہیں۔

کچھ دیر بعد ہم گاؤں کے لیے چل پڑے۔ کم از کم دو کلومیٹر پیدل کا سفر تو ہوگا...... مگر کھیت کھلیان اور باغوں کے ساتھ چلتے چلاتے ہمیں احساس ہی نہیں ہوا اور

مدرسے کا دروازہ آ گیا۔

اس مدرسے کے مہتمم ماموں عمیر صاحب ہی ہیں۔ مہتمم کیا، مدرسے کے ماں باپ سب کچھ وہی ہیں۔ پلاٹ لینے سے اس پر تین منزلہ خوبصورت عمارت تعمیر ہونے تک اور مسجد کی چٹائیوں سے، اساتذہ کی تنخواہ تک...... سب کچھ ان ہی کے ذمے ہے۔

طلبہ کی چھٹیاں تھیں۔ اسکول و مدرسے کا تفصیلی دورہ ہم نے مغرب تک کیا اور سچ مانیے دل خوش ہو گیا۔ اتنے کم وسائل میں اتنا زبردست انتظام...... ان کی مشکلات دور کرنے کے لیے دل سے دعا نکلی......

مغرب سے عشاء تک مولانا سے تفصیلی نشست ہوئی۔ بہت سارے موضوعات پر بہت ہی اچھی گفتگو رہی۔ بڑا مزہ آیا۔ ماضی کی کئی باتیں یاد کر کے لبوں پر گاہے ہنسی بھی پھوٹتی رہی۔

عشاء کے بعد گھر سے کھانا آ گیا۔ کھانا کھا کر مولانا تو بے مروتی کا اعلیٰ نمونہ ظاہر کرتے ہوئے فوراً ہی گھر چلے گئے۔ صاحبزادے نعمان کو البتہ چھوڑ گئے، تا کہ عمارت میں ہمیں تنہا پا کر چڑیلیں نہ چمٹ جائیں!

ابھی ہم لیٹے ہی تھے کہ چڑیلیں تو نہیں بہت سارے بھوت البتہ ہم سے آ چمٹے...... کم بخت خون آشام ڈریکولا جنھیں دنیا مچھر کے نام سے جانتی ہے......

ہم بلبلا اٹھے...... دیکھا تو نعمان بھی کئی جگہ سے گھائل اپنے زخم سہلا رہا تھا...... بس پھر کیا تھا، ہم دونوں اپنے اپنے کھٹولے کاندھے پہ اٹھائے چھت پر چلے آئے۔

"اوہ......"

چھت پر آتے ہی ہم مبہوت ہو گئے...... جیسے یکا یک آ
کسی جادونگری میں آ نکلے تھے...... اک سحر انگی
منظر ہمارے سامنے فلک تا ز میں پھیلا ہوا تھا!
گاؤں پر رات اپنی تمام تر دلکشی کے ساتھ اتری تھی......
ایسے جیسے کوئی مہارانی سیاہ پوشاک پہنے، ستاروں سے
بھرا آنچل رخ پر ڈالے...... بڑے ناز و ادا سے اپ
سنگھاسن پر آ بیٹھی ہو!
مہارانی کے بے پناہ حسن کی شرابوں سے، آنکھوں کے
کٹورے بھرنے کو کینوس بھی بہت بڑا تھا...... بہت بڑ
کھلی چھت اور دور دور تک کوئی اوٹ کوئی عمارت
نہیں...... دور مشرق میں ایستادہ پہاڑیوں کے سا
پراسرار سے ہیولے...... آہستہ خرام چلتی ٹھنڈی مست
ہوا اور سر پر تنے آسمان کے سیاہ آنچل پر کروڑہا چمکتے
دمکتے، کچھ روشن کچھ ٹمٹماتے ستارے!
ہمیں بے اختیار ایک مشہور غزل کا مطلع یاد آ گیا۔

رات پھیلی ہے تیرے سرمئی آنچل کی طرح
چاند نکلا ہے تجھے ڈھونڈنے پاگل کی طرح

اف کتنے عرصے کے بعد آسمان نے ہم پر اپنا آپ یو
عیاں کیا تھا، یوں اپنے بھید کھولے تھے...... ہم نے
کھٹولے پر لیٹے لیٹے کہکشاؤں کو کسی ندی کی طر
دیوانہ وار رقصاں دیکھا...... جگمگاتے ستاروں کو جھرمٹ
لے کر گھومتے دیکھا......
نعمان تو دس منٹ میں ہی سو گیا...... ہم گھنٹہ ڈیڑھ بونہ

آسمان کی بے پناہ وسعتوں میں کھوئے رہے..... کیا ہی میرے اللہ میاں جی کی قدرت تھی کہ کھربوں میل پہ پھیلا آسمان اربوں سال کا ماضی لیے، ہماری آنکھوں میں اتر آیا تھا!

نہیں معلوم یہ دلنشیں منظر نگاہوں نے کب تک دیکھا اور نہیں اندازہ کب ہواؤں نے ہمیں تھپک تھپک کر سلا دیا..... ہماری آنکھ تو پھر ایک الوکی آواز سے کھلی تھی۔

آنکھوں کے کنول کھلے تو ہماری سماعتوں میں فجر کی اذان رس گھول رہی تھی ..... تہ در تہ ظلمتوں میں جیسے نور کا کوئی گلاب کھل رہا تھا..... اللہ کی کبریائی اور رسالتِ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی.....

ہم اٹھ بیٹھے اور نیچے چلے آئے..... نماز کے بعد لائبریری میں ڈیڑھ گھنٹہ گزارا پھر جب بھوک خوب چمکنے لگی تو کتاب رکھ کر روٹی کی فکر ستانے لگی..... ایک تو اس سفر میں بھوک بھی اپنی تمام سفاکی کے ساتھ ہم پر منکشف ہوئی تھی..... ایسی بھوک سے کراچی میں ہم واقف ہی نہیں تھے۔

نعمان بھی تیار کھڑا تھا..... ہم دونوں باہر نکلے، تالا لگایا اور گھر کی طرف چل پڑے ..... سفر کے چوتھے دن کا سورج طلوع ہو رہا تھا..... گھر پہنچے تو ناشتہ تیار تھا..... خالص دیہاتی ناشتہ..... غذائیت اور ذائقے سے بھرپور ناشتے کے دوران میں ہی دریا پر جانے کا پروگرام بن گیا جو گھر سے پون گھنٹے پیدل کی مسافت پر بہتا تھا۔

بس پھر کیا تھا..... فوراً ہی نہانے کے کپڑے، صابن، چھتری، تولیا اور کتوں وغیرہ سے بچاؤ کے لیے ڈنڈے سوٹے لیے گئے اور چار رکنی قافلہ دریائے ہرو کا قصد لیے چل پڑا۔

ڈھائی تین کلومیٹر کا دشوار گزار کچا رستہ، تیز دھوپ اور..... چھتری تانے، اونچے نیچے رستے پر چلتے ہم
کوئل کی کوک اور ..... چہکتے باتیں بناتے، ہنستے ہنساتے ہم

خوش گپیوں میں اندازہ ہی نہیں ہوا کہ کب رستہ کٹ گیا اور پھر اچانک ایک موڑ مڑتے ہی سانپ کی طرح بل کھاتا شور مچاتا دریا ہمارے سامنے آ گیا!

بے حد خوش کن منظر تھا..... ہم اوپر تھے، دریا نیچے.....

اوپر سے ہم نے دیکھا کہ دریا کے کنارے ایک خانہ بدوش عورت کپڑے دھو رہی تھی۔ اس کے بچے پانی میں مستیاں کر رہے تھے..... پانی کافی کم تھا.....

ہم نے خاتون سے رخ بدلا اور پہاڑی سے اترتے چلے گئے..... پانی قریب ہوتا چلا گیا..... پانی کے قریب آتے ہی، پاؤں بھیگتے ہی..... سینے میں کواڑ بند کیے بیٹھا بچہ، یکایک کواڑ کھول کر باہر آ گیا۔

ہم تینوں نے بچوں کی طرح کلکاریاں ماریں اور پانی میں گھستے چلے گئے ..... خوب نہائے ..... چھوٹی چھوٹی مچھلیاں ہاتھوں سے پکڑنے کی کوشش کی..... نعمان کی خوبصورت آواز میں نظمیں سنیں..... چھوٹے قصے کہانیاں کہیں اور سنیں بھی بہت کچھ..... صبح کے بھاری بھرکم ناشتے کا اب کچھ پتا نہ تھا..... ڈیڑھ دو گھنٹے دریا کی موجوں میں موج کر کے جب سب کو بھوک لگنے لگی تو ہم نے دریا کو الوداع کہتے ہوئے واپسی کی راہ پکڑی۔

اسی وقت بلال کا فون آیا تھا..... وہ پنڈی سے تصور سمیع کو لے کر سیدھا خالق داد آ رہا تھا..... آج اتوار تھا، ہمیں ناران کے لیے بھی نکلنا تھا..... ہم نے رفتار تیز کر دی۔

اسی وقت میری نگاہ رستے کے بائیں طرف چند فرلانگ دور ایک چٹان پر پڑی..... چٹان کے پیچھے سے کسی نے جھانکا تھا اور پھر صاعقہ کی رفتار سے سر چھپا لیا تھا.....

"وہاں..... وہاں کوئی ہے؟"

ہم نے حیرت سے آنکھیں پھاڑتے ہوئے زور سے کہا تو سب ادھر متوجہ ہو گئے۔

سب ہماری انگلی کی سیدھ میں دیکھ رہے تھے..... اگلے ہی پل سب کی ہنسی نکل گئی۔ وہ چھوٹا سا سر جو ایک لمحے کے ہزارویں حصے میں ہمیں نظر آیا اور پھر چٹان کے پیچھے ہو گیا تھا۔ ایک نیولے کا تھا جو اب دوڑتا ہوا اپنے بل کی طرف جا رہا تھا!

اس سرزد ہو جانے والے لطیفے کے مزے لیتے ہوئے ہم تیزی سے آگے بڑھتے چلے گئے۔ آدھے گھنٹے مسلسل چلتے رہے، تب آبادی نظر آئی۔ گھر پہنچے تو دریا کے پانی کی تازگی ہوا ہو چکی تھی۔ ہم پسینہ پسینہ ہو چکے تھے۔ ایک بار شاور سے غسل کرنا ضروری تھا، سو کیا..... کھٹی میٹھی باتوں میں مزید ایک گھنٹہ بیت گیا۔ کچھ دیر کر سیدھی کرنے کو چارپائی پر دراز ہوئے ہی تھے کہ موبائل پر بیپ ہوئی۔

دیکھا تو بلال کی کال تھی۔ وہ دونوں نیچے سڑک پر
پہنچے تھے۔ مولانا کو بتایا اور ہم دونوں کے گھر سے
ہی اور بس کچھ دیر چلتے ہی..... ہم ان کی گاڑی کے پا
پہنچ چکے تھے۔

بلال اور تصور گاڑی سے نکل کر یوں والہانہ گلے
جیسے برسوں کے بچھڑے ہوئے ہوں۔

مولانا سے اظہار عقیدت کر کے وہ دونوں گاڑی میں
بیٹھے۔ ہم نے بھی الوداعی معانقہ کیا اور ڈرائیور بلا
کے برابر آ بیٹھے..... تصور سمیع پیچھے بیٹھے تھے۔

چند ہی لمحوں میں گاڑی فراٹے بھرتی حسن ابدال
طرف دوڑ رہی تھی۔ حسن ابدال سے ہمیں جوگرز وغیر
خریدنے تھے، آخر پہاڑوں پر ٹریکنگ بھی تو کرنی تھی۔
حسن ابدال پہنچ کر گاڑی سڑک کنارے پارک
اور لوگوں سے پوچھتے ہوئے حسن ابدال کے لنڈا باز
میں جا گھسے..... ابھی جوگرز پسند ہی کیے تھے کہ مولا
اسماعیل ریحان صاحب کی کال آ گئی..... وہ کہہ رہے
تھے کہ حسن ابدال 'اندرون محلہ' کی مسجد کے امام مولا
صفدر برکی صاحب آپ سے ملاقات کے خواہش من
ہیں۔ ان کا نمبر دے رہا ہوں، ملتے ہوئے جائیے۔

نماز میں وقت بہت کم تھا۔ جلدی جلدی خریداری کی او
ایک ساتھی کی رہنمائی میں تیزی سے ابراہیم لودھی محل
چل پڑے۔ مسجد پہنچے تو اقامت ہو رہی تھی۔ اما
صاحب اگر مولانا صفدر ہی تھے تو دیکھنے میں اما
صاحبان سے کافی الگ دکھائی دے رہے تھے.....

اجازت سے بغیر تو نہ کے...... ایک نظر میں مولانا کا پشت سے پوسٹ مارٹم کیا اور تکبیر کہتے ہوئے جماعت میں شامل ہو گئے۔

سلام پھیرتے ہی چوں کہ وقت کم تھا، ہم تیزی سے آگے بڑھے اور مولانا کے قریب ہو کر دھیمی آواز میں اپنا تعارف کروا دیا۔

ابھی ہمارے نام کا اثر دیکھیے کہ ان کے چہرے پر جو اس سے قبل ایک خاص قسم کی مولویانہ بردباری ثبت تھی...... یکلخت بے تکلفانہ شگفتگی میں بدل گئی......

وہ بڑی محبت سے ہمارا ہاتھ تھامے صفیں چیرتے ہوئے صحن میں چلے آئے۔

معلوم ہوا کہ انہوں نے اسی دن اتوار کے شمارے کا اداریہ 'سیاحت وسیلہ راحت' پڑھ کر مولانا کو فون کر دیا تھا کہ آپ کے پاس فیصل بھائی آئیں تو ان کو لے کر ہمارے پاس ضرور تشریف لائیے گا۔

ان کے اخلاص کی برکت کہیے یا حسین اتفاق کہ ہم اس وقت حسن ابدال میں ہی تھے۔ جب انہوں نے ہمیں یاد کیا۔

بہر حال اب وہ ہمیں اس دیسی مرغی کے فضائل سنانے لگے جو بقول ان کے ہمارے ہی نصیب سے صبح سویرے ان کے گھر پہنچی تھی اور انھوں نے اہلیہ سے کہا تھا کہ ضرور آج کوئی مہمان آنے والا ہے۔

ہمارے نصیب کی بوٹیاں تو چوں کہ اس وقت واہ کینٹ کے ایک گھر میں بھنی جا رہی تھیں، سو ہم نے بہت پیار سے مولانا صفدر کی دیسی مرغی قبول کرنے سے معذرت کر لی...... انہوں نے یہ کہہ کر گویا ہمارے دل کو چھو لیا کہ کوئی بات نہیں، آپ وعدہ کریں کہ سفر سے واپسی پر آپ ہمارے ہاں سے ہوتے ہوئے جائیں گے۔ ہم یہ دیسی مرغی فریز کر رہے ہیں!

اس دیسی مرغی پر ہمارا تو نہیں، تصور سمیع کا نام یقیناً نقش ہو چکا تھا...... تب ہی تو چار دن بعد بھی ہمیں حسن ابدال دو گھنٹے کے لیے رکنا ہی پڑا!

خیر چار دن بعد کی کہانی چار دن بعد...... اس وقت تو مولانا سے رخصت لے کر ہم واہ کینٹ کے لیے نکل گئے۔

واہ پہنچے تو ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ ایک دکان سے رک کر بال اور ہم نے ڈرائی ڈر لیے...... گھر پہنچے اور دن میں پانچویں بار نہائے...... دوپہر کا کھانا 4 بجے کھایا۔ اب نجانے وہ کھانا ہی بے حد لذیذ تھا یا دستر خوان پر شوخ و شنگ دوستوں کی ہم نشینی کا اثر تھا کہ ہم نے بہت کھایا، حتیٰ کہ میٹھا بھی کھا بیٹھے!

وقت بہت کم تھا، سو کھانے کے بعد تیزی سے پیکنگ مکمل کی، بیگ سنبھالے اور نکل پڑے تین مسافر انجانی راہوں پر......

مین روڈ پر پہنچے اور حسن ابدال موڑ اڈے کے لیے ایک چنگ چی میں بیٹھ گئے۔ دس منٹ میں اس نے ہمیں وین اڈے پر اتار دیا۔ مانسہرہ کے لیے وین تیار تھی۔ ٹکٹ لیے اور وین کے پاس پہنچے۔ اس وقت ہمیں اپنے ایک ساتھی کی عادت بد کا علم ہوا۔

......☆ جاری ہے ☆......

زہریلا پودا

یہ زرد پھولوں والا پودا taraxacum officinale ہے جو دیکھنے میں تو بڑا نرم و نازک اور حسین ہے مگر انتہائی زہریلا ہے۔ اس طرح کے پودے عموماً بارش کے بعد خود بخود جڑی بوٹیوں کے طور پر نکل آتے ہیں، ایسے پودوں کو خودرو پودے کہتے ہیں۔ اس کا زہر فصل میں موجود نقصان دہ کیڑے مکوڑوں اور مچھروں کو مارنے والی ادویات اور اسپرے بنانے میں استعمال ہوتا ہے۔ بعض ممالک میں اسے گھروں میں سجاوٹ کے طور پر بھی رکھا جاتا ہے۔

آبی بھیڑیا

شارک مچھلی کو اپنی درندہ صفت طبیعت اور خونخوار جبلت کی بنا پر ماہرین آبی بھیڑیا کے نام سے بھی موسوم کرتے ہیں۔ اس کی اب تک ۳۵۰ انواع دریافت ہوئی ہیں، ان میں سب سے بڑی وہیل شارک ۴۰ فٹ اور سوپ فن ۶ فٹ کی یعنی سب سے چھوٹی ہیں۔ یہ خون کے ایک قطرے کی بُو کئی کلومیٹر کی مسافت سے سونگھ سکتی ہے، اس کے جبڑوں میں ۳۰۰۰ کے قریب دانت ہوتے ہیں جو بوقت ضرورت ۳۶۰ درجے کے زاویے پر گھوم بھی سکتے ہیں۔

ہوگئی بات صاف

احمد حاطب صدیقی

ماریہ صاحبہ کی اک گڑیا
اور ڈولی کا ایک گڈا تھا
منّی اور دونوں میں چائے پر کل شام
ذکر رشتے کا ایسے ہوتا تھا

ڈولی (بگاڑ کر):
ہونہہ! نہ اچھی ہیں عادتیں اس کی
نہ مجھے کوئی خاص لگتی ہے
تم تو کہتی تھیں گڑیا ہنس مکھ ہے
یہ تو بالکل اداس لگتی ہے
کب سے بالوں میں کی نہیں کنگھی
چٹیا دیکھو تو گھاس لگتی ہے
بات کرنے کا اس کو ڈھنگ نہیں
یہ کہیں ایم اے پاس لگتی ہے؟!
چائے گڈے کے کوٹ پہ ڈھا دی
ایک دم بد حواس لگتی ہے
ناں جی! گڑیا نہیں ہے یہ کم سن
یہ تو گڈے کی ساس لگتی ہے
اے ذرا کوک ووک منگواؤ
میرے گڈے کو پیاس لگتی ہے

ماریہ صاحبہ کی گڑیا کا
اُن کو آنا بھلا نہ کیوں غصہ
اے بہن! یہ خوشی کا سودا ہے
ہوگئی بات صاف اچھا ہے
میری گڑیا تو خیر جیسی ہے
لاٹ صاحب یہ خود کہاں کا ہے؟
بھالو جیسی تو اس کی صورت ہے
تم تو کہتی تھیں بھولا بھالا ہے
مونچھیں دیکھو تو کتنی موٹی ہیں
سر بھی پیچھے سے تھوڑا گنجا ہے
کہیں افسر تو خیر کیا ہوگا
فلمو میں فیل ہو کے بھاگا ہے
سب پتا چل گیا مجھے بھی اب
کسی ہوٹل کا یہ تو بیرا ہے
اس کی تنخواہ بس ذرا سی ہے
ٹپ کے ملنے ہی پہ گزارا ہے
ہاں اسے کوک بھی منگا دیں گے
دیکھو اور کس قدر ندیدہ ہے
اس نکھٹو کو گڑیا دینے سے
کنویں میں پھینک دینا اچھا ہے

کھینچا ڈولی نے ایسا جب نقشہ
پر بڑے ضبط سے یہ فرمایا

عنوان دیکھ کر گھبرائیے مت...... یہ آپ کے لیے سوال نامہ نہیں بلکہ جناب محمد صدیقی صاحب کا خطاب ہے جو ان کی مریم باجی نے ان کی طرف سے ہونے والی مسلسل سوالات کی بمباری سے متاثر ہو کر ان کو عطا فرمایا ہے۔

محمد نے تین سال کی عمر میں بولنا شروع کیا۔ اس سے پہلے وہ اشاروں سے کام چلاتے تھے، ہر چیز کے لیے الگ اشارہ تھا۔ تین سال کے ہو چکے تو ایک خاتون نے مشورہ دیا کہ فزیو تھراپسٹ کو دکھایئے (یہ بن مانگے کا مشورہ تھا) ہم نے ایسے ہی اپنی امی یعنی محمد کی نانی جان سے ذکر کیا تو کہنے لگیں 'بالکل نہیں۔' سوچنا بھی مت۔ یہ جو سن رہا ہے سب اس کے دماغ میں فیڈ ہو رہا ہے جب نکلے گا تو تمھارے کان کھائے گا۔" ساتھ ہی "رب الشرح لی" یاد کرانے کی تاکید کی۔ میں نے کہا اس کے تو تھوڑے مشکل الفاظ ہیں، کیسے یاد کرے گا تو کہنے لگیں "بس تم پڑھاؤ۔ آگے اللہ بہتر کرے گا۔" اور ہم حیران رہ گئے جب صرف چار دن میں محمد نے یہ دعا یاد کر لی اور بس یہی شروعات تھی۔ نانی جان تو اپنی خواہش کو پورا ہوتے نہ دیکھ سکیں کہ اگلے ہی مہینے اللہ نے انھیں اپنے پاس بلا لیا مگر ہمیں تقریباً روزانہ ہی محمد صاحب ان کی خواہش کو یاد کرا دیتے ہیں۔ سوالات کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے۔ ہر جواب دیتے ہوئے آپ اگلے چار سوالات کے لیے تیار رہیں۔

نانی جان کے بعد انھیں یہ معلوم ہو گیا ہے کہ سب کو اللہ

کے پاس جانا ہے۔ ایک دن پوچھنے لگے کہ "امی کیا سب مرنے کے بعد قبر میں جاتے ہیں؟" ہم نے کہا۔ "ہاں اور دوسرے لوگ اُن کو قبر میں ڈالتے ہیں۔" "جی ہاں۔ "اچھا، تو جب دنیا کا آخری آدمی رہ جائے گا تو وہ کیسے جائے گا قبر میں؟" ہم چپ۔ ابھی آپ تھوڑے بڑے ہو جائیں پھر یہ بات بھی سمجھ میں آ جائے۔ (اس وقت ان کی عمر ۳ سال تھی) پھر پوچھا: "اچھا تو نانی جان کو کس نے قبر میں ڈالا؟"

ہم نے کہا: "قانت ماموں، کاشف ماموں اور فرحا ماموں نے۔"

"اچھا تو یعنی آپ کو میں ڈالوں گا؟"

ہم نے کہا: "ان شاء اللہ اور پھر آپ اپنی امی کے بہت دعا کرتے رہیے گا۔"

اچھا اس ساری بات کے بعد سب سے خطرناک بات ہوئی کہ ہم انھیں یہ منع کرنا بھول گئے کہ یہ بات کسی سے مت کرنا اور انھوں نے بتانے کے لیے پسند کس کیا؟ اپنی دادی جان کو۔

دادی جان سے ان کو بہت محبت ہے۔ جب ہم پاکس جاتے ہیں تو یہ زیادہ وقت اپنی دادی جان کے پاس گزارتے ہیں۔ دادی جان بھی ان کے سوالات باتیں بہت برداشت کرتی ہیں تو یہاں بھی یہی پوری بات ہونے کے بعد تھوڑی دیر غور و خوض کیا جب ہم اپنے کسی کام میں مصروف ہو گئے تو یہ د جان کے پاس پہنچ گئے۔ "معلوم ہے دادی جان ا

امی اللہ میاں کے پاس جائیں گی تو میں انھیں قبر میں ڈالوں گا۔"

اب آگے آپ خود سمجھ جائیے کہ کیا ہوا ہوگا......

ساتھی رسالہ ان کو بہت پسند ہے۔ سائم اور جولیا کی کہانی بہت شوق سے سنتے ہیں۔ ایک کہانی کو آپ بار بار سنائیں۔ یہ اتنی ہی توجہ اور لگن سے سنیں گے۔ پھر کافی دیر تصاویر پر غور کرتے ہیں۔

پچھلے رسالے میں ماہنامہ ساتھی کی مجلس ادارت نے 'دنیا کا پہلا سرجن' چھاپ دی۔ مصیبت ہمارے لیے ہوگئی۔ بلا مبالغہ آدھا گھنٹہ اس مضمون کو لیے بیٹھے رہے اور پھر سوالات۔

سوال نمبر ۱: گوریلا کا آپریشن کیوں کیا کسی اور کا کیوں نہیں کیا؟

جواب: کیوں کہ گوریلا کا جسم اندر سے انسان کے جسم سے ملتا جلتا ہوتا ہے۔

سوال نمبر ۲: زرافہ کا نہیں کیا؟

جواب: نہیں۔

سوال نمبر ۳: گھوڑے کا بھی نہیں؟

جواب: (جھنجھلا کر) نہیں۔

سوال نمبر ۴: تو پھر یہ کیسے پتا چلا کہ صرف گوریلا کا جسم انسان سے ملتا ہے؟

جواب: خاموشی۔

سوال نمبر ۵: اچھا یہ گوریلا اندھیرے میں کیوں کھڑا ہے؟

جواب: (ہم ابھی پچھلے سوال کے زیر اثر تھے) خاموشی۔

پنسل

ایک غائب دماغ پروفیسر مضمون لکھنے کی تیاری میں مصروف تھے۔ اچانک انھیں احساس ہوا کہ ان کے پاس پنسل نہیں ہے۔ انھوں نے اپنی بیوی سے پنسل کے بارے میں دریافت کیا۔

"تمھارے کان پر لگی ہوئی ہے۔" بیوی نے جواب دیا۔

"تم جانتی ہو کہ میں بہت مصروف آدمی ہوں۔" پروفیسر نے چیخ کر کہا۔ "صاف صاف کیوں نہیں بتاتی کہ کون سے کان پر ہے؟"

مرسلہ: محمد نور، نواب شاہ

اچانک اہم شرط تو ہم بتانا بھول ہی گئے کہ آپ سوالوں کے جواب دیں اور خوش گوار موڈ کے ساتھ۔ ذرا شکل بنی تو "امی آپ کی شکل کیسی ہو رہی ہے۔"

"کیوں، کیا ہوا شکل کو؟"

"آپ رونے والی کیوں ہو رہی ہیں؟"

"نہیں رو رہی بھئی۔"

"تو شکل کیوں ایسی ہو رہی ہے؟"

انھیں ۶ سال کا ہونے کا بہت شوق ہے۔ اپنے بابا سے عربی کی گنتی سیکھ رہے ہیں۔ "میں خمس سال کا ہوں اور ستہ کا ہونے والا ہوں۔" (حالاں کہ پچھلے مہینے ہی ۵ سال کے ہوئے ہیں اور ۶ سال کا ہونے میں ابھی پورا سال ہے)۔

چھوٹا بھائی روہانسا ہو کر "بھائی جان! مجھے بھی تو بتاؤ۔"

"اچھا تم ثلاثہ کے ہو اور اربع کے ہوگے۔"

جنت میں جا کر اللہ میاں سے یہ چیزیں لیتی ہیں۔

"براق گھوڑوں کا اصطبل، آم کا پورا درخت اور Marry بسکٹ کی دکان۔" ابراہیم بھائی جب بھی تنگ کریں گے میں براق پہ بیٹھ کر اُڑ جاؤں گا۔" اب جب سے حضرت جعفر طیارؓ کا واقعہ سنا ہے پروں کا معاملہ بھی زیر غور ہے۔ اگر پر مل جائیں تو پھر تو ہم خود ہی اُڑ سکتے ہیں۔

حضرت ابو طلحہؓ اور اُم سلیمؓ کی مہمان نوازی والا واقعہ بہت پسند ہے۔ ان کے بچوں کی طرح یہ بھی بہت ساری باتوں پر صبر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ خاص طور پر چھوٹے بھائی کا خیال کرتے ہوئے۔

پہیلیاں بوجھنا بہت اچھا لگتا ہے۔ ایک جگہ اپنے بابا کے ساتھ دعوت پر گئے۔ توقع غالب ہے وہاں پر بھی اپنی کارگزاری میں مصروف ہوں گے۔ ایک صاحب نے کہا: "اچھا یہ بتاؤ ایک چیز ہے جس کے بڑے بڑے کان ہیں اور وہ میاؤں میاؤں بولتی ہے مگر وہ بلی نہیں ہے۔" فوراً بولے "بلا"۔ اچھا جب ان کے بابا ہمیں بتا رہے تھے تو ہم بھی ایک لمحے کے لیے سوچ میں پڑ گئے کہ ایسا کون سا جانور ہو سکتا ہے لیکن محمد تو محمد ہے جواب دے کر اگلا سوال جو کرنا تھا۔

"میں پکھوا نہیں ہوں۔" گل رعنا کی تحریر ہمارے لیے عملی طور پر بے حد کارآمد ثابت ہوئی اور شاید یہی وہ واحد کہانی ہے جو دوبارہ سننے کی فرمائش نہیں ہوئی بلکہ ہم نے خود سنانے پر اصرار کیا تو بھی سننے پر راضی

نہیں، ناراض ہو جاتے ہیں۔ وجہ تو سامنے موجو
جب بھی یہ صاحب سستی دکھاتے ہیں، ہم بغیر ا
طرف دیکھے بس یہ کہتے ہیں: "یہاں تو کسی کا
بننے کا دل چاہ رہا ہے۔" اور بس فٹافٹ کام ہو
ہے، مگر اس کی نوبت کم ہی آتی ہے کہ زیادہ
بھاگ بھاگ کر کام کرتے ہیں۔

کون سی چیز کتنے کی ہے یہ بھی معلوم کرنے کا بہت
ہے۔ اپنے بابا سے اس بات پر کئی دفعہ ڈانٹ کھا
ہیں مگر...... ان کے اس شوق کا اندازہ اس سے کر لیں
"امی Minicooper بہت مہنگی ہوتی ہے؟"
(ہم کھانا بنا رہے تھے صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا)
"اچھا تو کتنے کلو کتنے پیسوں کی لے سکتے ہیں؟"
اس مضمون کو لکھنے کے دوران ہر تھوڑی دیر میں پر
ہو کر آتے رہے ہیں۔ "امی کتنا لکھیں گی؟"

"آپ ابھی تک تھکی نہیں؟"

"اچھا کب تھکیں گی؟"

تو جناب محمد کو تو گھور گھور کر خاموش کر دیا، لیکن اب
لگتا ہے ہم واقعی تھک گئے ہیں تو مدیر صاحب
گزارش ہے کہ سائم اور جولیا کی کہانی میں ناغہ نہیں
کریں ورنہ محمد کے ساتھ ساتھ ہمارے...... جی
ہمارے بھی دل پر گزر جاتی ہے کیوں کہ جتنے شوق
محمد سنتے ہیں اس سے کہیں زیادہ شوق سے ہم اُ
سناتے ہیں۔

☆......☆

ابنِ آس محمد

پانچ کروڑ کا ہار

ابنِ آس لائے ہیں آپ کے لیے سسپنس سے بھرپور عمر، علی اور احمد کے کارناموں پر مشتمل دلچسپ سیریز

احمد صدیقی اپنے آفس میں تھے کہ اُن کا موبائل فون بجنے لگا۔ وہ شہر کے مشہور، مقبول اور مہنگے وکیل تھے، ہر کوئی اُنھیں ''افورڈ'' نہیں کرسکتا تھا۔ خاص طور پر مجرم تو بالکل بھی نہیں۔ وہ خود بھی کبھی کسی مجرم کی طرف داری نہیں کرتے تھے، کیس شروع ہونے سے پہلے اور شروع ہونے کے دوران کسی ماہر جاسوس کی طرح اچھی طرح تحقیق کر لیتا اُن کی ذاتی ''بیماریوں'' میں سے ایک بیماری تھی، ان کا کہنا تھا: ''مجرم کی وکالت کرنا بہ ذات خود ایک سنگین اور بڑا جرم ہے۔''

اس کے علاوہ بھی اُن کے بہت سے ''اقوالِ زرّیں'' تھے، جو

وہ موقع کی مناسبت سے بنایا کرتے تھے اور موقع پر ہی گھڑ لیا کرتے تھے۔ بہ ظاہر خاصے مزاح پسند مگر غصے کے نہایت تیز تھے۔ اُن کے بیٹے، عمر اور علی، اُن سے بھی زیادہ حیران کر دینے والے بچے تھے۔ جاسوسی ناول پڑھ پڑھ کر بچے جاسوس بن گئے تھے، تفتیش کے معاملوں میں اپنے بابا جانی (احمد صدیقی) کا ہاتھ بٹاتے تھے، ایمان دار اعلا حکام کے چہیتے تھے اسی وجہ سے اُنھیں بہت سی رعایتیں حاصل ہو گئی تھیں۔ یہ چھوٹے تھے لیکن ان کے لیے گاڑی چلانے کے خصوصی لائسنس فراہم کیے گئے تھے۔

ان کے واقف کاروں میں نہ تو کوئی سائنس دان انکل تھے، جو اُنھیں طرح طرح کے بنانے اور عجیب عجیب ہتھیار بنا کر دیتے، جس سے مجرم مرعوب ہوتے یا ڈر جاتے اور نہ کوئی شکاری قسم کے انکل اُن کے بابا جانی کے دوست تھے بلکہ یہ دونوں خود ہی سائنس دان قسم کی چیز بھی تھے، اپنے بنانے، اور آلات وغیرہ خود ہی بنا لیا کرتے تھے۔

عمر ایک اعلا قسم کا منتظم، نہایت تفتیشی قسم کا دماغ رکھنے والا بچہ تھا، لڑنے بھڑنے میں ماہر تھا، کیوں کہ بہادر بھی تھا۔ علی بھی کم نہیں تھا۔ نہایت طاقت ور قسم کا بچہ جو کسی کو بھی خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ بڑے سے بڑے مجرم سے پنجا لڑانے کے لیے ہر وقت تیار رہتا۔ لڑائی بھڑائی میں ماہر تو تھا ہی حکمت اور دانائی کی باتیں، معلومات، نہ معلوم کیا کیا خوبیاں تھیں اس میں، اس کے علاوہ ایک اہم بات یہ بھی تھی کہ دونوں کم عمر بچے تھے اور خاصے معصوم بھی تھے۔

احمد صدیقی پولیس کے چالان، مدعی یا ملزم کی کسی بات پر یقین نہیں کرتے تھے، جب یقین ہو جاتا کہ جس کا کیس وہ ہاتھ میں لے رہے ہیں اُن کے نزدیک وہ مجرم نہیں ہے تو، عدالت میں حاضر ہوتے اور اگر اُن کی تحقیق کے نتیجے میں مدعی مجرم ثابت ہو جاتا تو مزید پھنس جاتا، جج بھی اُن کا احترام کرتے تھے، اس کے علاوہ بھی بہت سی انوکھی باتیں تھیں، جو انکشاف کی طرح سامنے آتی تھیں۔ احمد صدیقی اپنے آفس کے ملازمین کے لیے بھی ایک پراسرار کردار تھے۔

ہم یہ تو بتا چکے ہیں کہ احمد صدیقی کے دو بیٹے تھے، ایک عمر، دوسرا علی...... اُن کی بیگم اور اُن کے علاوہ کسی کو معلوم نہیں تھا کہ عمر اور علی دراصل اُن کی اولاد ہی نہیں ہیں...... اُنھوں نے دو لاوارث اور کم سن بچوں کو سڑک سے اُٹھایا تھا اور اُن کی زندگی بدل دی تھی۔

اُن کی ایک بیٹی بھی تھی، جگنو...... جو اُن کے ساتھ نہیں رہتی تھی بلکہ بورڈنگ اسکول میں زیرِ تعلیم تھی اور چھٹیوں میں ہی گھر آتی تھی۔ جگنو ایک خطرناک قسم کی جاسوس اور باکمال سیکرٹ ایجنٹ تھی، جب بھی میدانِ عمل میں آتی تو اس وقت ایسا لگتا جیسے اس کے بابا اور دونوں بھائی اصل میں اس کے لیے کام کرتے ہیں۔

جب تیسری مرتبہ مسلسل فون کی جھنجھناہٹ گونجی تو فون کرنے والے کی بے تابی کا اندازہ لگاتے ہوئے اُنھوں نے سیل فون اُٹھا کر دیکھا۔

وہ انسپکٹر قلندر کی کال تھی۔ اُنھوں نے کال ریسیو کی۔

"ہیلو...... ابھی تک زندہ ہو......؟"

دوسری طرف انسپکٹر قلندر کی روہانسی آواز سنائی دی۔

"یار احمد...... اگر تم فوری طور پر بادامی ہاؤس نہ پہنچے تو میں زندہ نہیں رہوں گا...... بے موت مارا جاؤں گا۔"

"بادامی ہاؤس......" وہ بُری طرح چونک گئے۔

بادامی ہاؤس۔ ایک بڑے سیاست دان کی تند خو اور خطرناک قسم کی دوسری بیوی کا گھر تھا، جس سے اُن کے سیاست دان میاں بھی گھبراتے تھے۔ بیگم بادامی کے نام سے مشہور وہ خاتون کچھ زیادہ ہی غصیلی تھیں۔

ایک مرحوم کرنل کی بیٹی ہونے کا شرف بھی حاصل تھا۔ خاصی دولت مند تھیں، مغرور تھیں۔

"وہاں کیا کر رہے ہو تم؟" احمد صدیقی نے ذرا گھبرانے کی کوشش کی۔ "تم تو قلندر ہو یار اور قلندر یا تو کسی مزار پر ہوتا ہے یا مزار ہی اُس کا ہوتا ہے۔"

"بیگم بادامی کا ہار چوری ہو گیا ہے۔" انسپکٹر قلندر کی پھنسی پھنسی آواز سنائی دی۔

"تم نے چوری کیا ہے؟"

"نہیں یار! پتا نہیں کس نے چوری کیا ہے اور اب میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں کیا کروں؟"

"تفتیش کرو، تم پولیس والے ہو۔ پولیس والوں کا کام تفتیش کرنا ہوتا ہے۔"

"وہ تو میں کرلوں گا، کر بھی رہا ہوں، مگر بیگم بادامی کا کہنا ہے کہ مجرم کو ان کے حوالے کیے بغیر میں گھر نہیں جا سکتا۔ میری جان چھڑاؤ یار ان سے۔ اُنھوں نے مجھے اپنے گھر میں بند کر دیا ہے۔ کہتی ہیں، جب تک ہار کا چور اور ہار نہیں ملے گا، جب تک ان کا گھر ہی میری حدود ہیں۔ میں اس حدود سے باہر نہیں جا سکتا۔"

احمد صدیقی مسکرا کر رہ گئے، شوخ لہجے میں بولے۔

"بھیا قلندر! بات یہ ہے کہ میں ایک وکیل ہوں۔ میرا کام چوری ہو جانے کے بعد نہیں، ملزم کے پکڑے جانے کے بعد شروع ہوتا ہے کہ وہ ملزم ہے بھی یا نہیں، بس یہ ثابت کرنا ہوتا ہے مجھے۔ ایک معمولی سے ہار کے لیے اتنے مہنگے وکیل کو کیوں زحمت دے رہے ہو؟"

"یار! یہ معمولی ہار نہیں ہے۔ پانچ کروڑ روپے کا ہار ہے۔"

"پانچ کروڑ کا ہار۔" احمد صدیقی چونک گئے۔

"ہاں، پانچ کروڑ کا ہار۔" قلندر نے مری مری آواز میں کہا۔ "تم آ جاؤ بس اور اس عورت سے بچاؤ مجھے ورنہ یہ میرا خون پی جائے گی۔"

احمد صدیقی کو یاد آیا، چند برس پہلے سیاسی حلقوں میں ایک ہار کے بڑے چرچے تھے، جس کی بازگشت اسمبلی تک بھی پہنچی تھی۔ یہ ہار سابق کرپٹ وزیرِ اعظم نے اپنے ایک وزیر کی بیگم کو اُن کی شادی کی سال گرہ پر تحفے میں دیا تھا، اس وقت وزیرِ موصوف کا نام سامنے نہیں آ سکا تھا نہ بیگم کا پتا چلا تھا اور نہ کوئی اس ہار کی موجودگی اور تحفہ دیے جانے کا معاملہ ثابت کر سکا تھا۔ یوں اس معاملے کو سیاسی نعرے بازی کہہ کر نظر انداز کر دیا گیا تھا۔

"میں آ رہا ہوں۔" احمد صدیقی نے جلدی سے کہا۔

☆......☆

انسپکٹر قلندر کی ساری قلندری ہوا ہو گئی تھی۔ چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا، اگرچہ بادامی بیگم کے شوہر حکومت کی تبدیلی کی وجہ سے ملک سے بھاگے ہوئے تھے، مگر ان کا رعب اور دبدبہ اب بھی قائم تھا۔

انسپکٹر قلندر ایک بہادر انسپکٹر تھا، بڑے بڑے مجرموں سے پنجہ آزمائی کر لیتا تھا مگر جہاں مجرم سے دوبدو لڑنے کی بات آ جائے یا کوئی تفتیشی معاملہ یا دماغ استعمال کرنے کی بات ہوتی وہ عام سا پولیس والا ہی ثابت ہوتا تھا۔ اس کی

کھوپڑی میں اندھیرے، ڈیرے ڈال لیا کرتے تھے۔

انسپکٹر قلندر نے جلدی جلدی ساری صورت حال احمد صدیقی کو بتائی۔

"بادامی بیگم اس گھر میں اکیلی رہتی ہیں۔ کل رات وہ ایک تقریب میں گئی تھیں اور آج ایک شادی کی تقریب میں شرکت کے لیے کل ہی لاکر سے ہار نکلوا کر لے آئی تھیں جو اُن کے سیف میں رکھا تھا۔ رات کو سوتے وقت اُنھوں نے سیف میں ہار دیکھا تھا۔ صبح اُٹھیں تو سیف کھلا ہوا تھا۔ ہار غائب تھا اور ایک کھڑکی کا شیشہ ٹوٹا ہوا تھا۔ چور نے کھڑکی کا شیشہ توڑ کر کھڑکی کھولی، اندر داخل ہو کر اطمینان سے ہار چوری کیا اور اسی راستے باہر چلا گیا۔"

"ہوں سیکورٹی کا انتظام نہیں ہے کیا یہاں۔ باہر محافظ تو دکھائی دے رہے ہیں؟"

"سیکورٹی اہل کار گھر کے سامنے والے حصے میں ہوتے ہیں۔ کھڑکی گھر کے پچھلے حصے میں ہے اور لان میں کھلتی ہے۔ کل رات لوڈ شیڈنگ اور بارش کی وجہ سے سیکورٹی سسٹم کچھ دیر کے لیے بند ہوا تھا اور شاید چور اسی وقت دیوار پھاند کر اندر داخل ہوا ہوگا۔"

احمد صدیقی، انسپکٹر قلندر کے ساتھ سیف والے کمرے میں گئے۔ پورے کمرے کا معائنہ کیا۔ سیف کو بھی باریک بینی سے دیکھا، جس کا کواڑ اب بھی کھلا ہوا تھا۔ کوئی ماہر چور تھا جس نے ماسٹر کی سے سیف کا قفل کھولا تھا۔ اب بھی سیف میں بڑے نوٹوں کی کچھ گڈیاں اور تھوڑا بہت زیور دکھائی دے رہا تھا۔

"اس کا مطلب ہے، چور صرف پانچ کروڑ کا ہار ہی چرا کر لے گیا ہے۔"

"ہاں...... باقی کسی چیز کو اس نے چھوا بھی نہیں۔"

"یہ بات بادامی بیگم نے بتائی ہے؟"

"ہاں...... وہ بہت غصے میں ہیں۔"

سیف کے سامنے کیچڑ آلود جوتے کے نشان صاف دکھائی دے رہے تھے، جو باہر تک چلے گئے تھے۔

احمد صدیقی نے جھک کر کیچڑ کے نشان کو دیکھا، وہ چھوٹے سائز کے جوتے تھے۔ اِس کا مطلب تھا، چور یا تو کم عمر تھا یا اس کے پیر چھوٹے تھے۔

"اِس کے پرنٹ اُٹھوا لیے ہیں۔" انسپکٹر قلندر نے جلدی سے کہا۔ "یہ نشان اُس کھڑکی سے یہاں تک آ رہے ہیں جس میں سے چور اندر آیا تھا۔"

"خوب...... خاصا دلیر چور ہے۔"

"چلو، کھڑکی کا معائنہ کرتے ہیں۔"

وہ پیچھے آئے تو بادامی بیگم غصے میں بھناتی ہوئی اُن کی طرف بڑھیں۔

"انسپکٹر! اگر ایک گھنٹے میں چور نہیں پکڑا گیا تو تم جانتے نہیں ہو میں کون ہوں اور کیا کر سکتی ہوں۔"

اُس نے احمد صدیقی کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا تھا۔

"بادامی بیگم کیسے مزاج ہیں؟" وہ بھنا کر اُن کی طرف گھومیں۔

"ٹھیک ہوں، آپ کون؟"

"فدوی کو احمد صدیقی کہتے ہیں۔ ویسے تو وکیل ہوں، انسپکٹر قلندر کی وکالت کے لیے یہاں آیا ہوں، آپ انھیں دھمکی نہیں دے سکتیں۔"

"میں تو تمھیں بھی دھمکی دے سکتی ہوں۔" بادامی بیگم نے بھنا کر کہا: "تم ہو کیا چیز ویسے۔"

"ناچیز ہوں بادامی بیگم اگر آپ اجازت دیں تو آپ کے ہار کے چور کو پکڑنے میں انسپکٹر قلندر کی کچھ مدد کر دوں؟"

"مگر تم تو وکیل ہو تم کیا کرو گے؟"

"میں وکیل کے علاوہ بھی بہت کچھ ہوں۔ وکالت میرا پیشہ اور جاسوسی میرا شوق ہے۔"

میں کچھ نہیں جانتی، مجھے اپنا ہار چاہیے اور چور چاہیے لیکن مجھے لگتا ہے کہ یہ تم جیسے گھنٹوں کے بس کا کام نہیں میں کسی اعلا افسر کو بلا رہی ہوں۔ ویسے تم...... تم مدد کرو گے؟ تم کوئی انویسٹی گیشن آفیسر ہو کیا؟ کوئی تجربہ ہے تمھیں اس کام کا؟"

"مجھے ابن صفی اور اشتیاق احمد کے جاسوسی ناول پڑھنے کا تجربہ ہے اور اس تجربے کی روشنی میں کچھ ہی دیر میں آپ کے ہار کی چوری کا معاملہ حل کر سکتا ہوں۔"

بادامی بیگم کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ٹھیک ہے۔ میں دیکھتی ہوں کتنے پانی میں ہیں آپ۔ کیجیے تفتیش۔"

احمد صدیقی نے مسکرا کر شکریہ ادا کیا اور اُس کھڑکی کا معائنہ کرنے لگے جس کا شیشہ توڑ کر، ممکنہ طور پر چور اندر آیا تھا۔ اندر کا مشاہدہ کرنے کے بعد وہ باہر نکلے، پچھلے حصے میں جا کر لان کی طرف بھی کھڑکی کے اطراف میں نظر ڈالی۔ شیشے کے ٹکڑے کھڑکی کے نیچے پڑے تھے اور کیچڑ آلود جوتوں کے نشان بھی موجود تھے۔

اُنھوں نے انسپکٹر قلندر کی طرف دیکھا، وہ سمجھ گیا، جلدی سے بولا: "صاف ظاہر ہے، چور نے کھڑکی کا شیشہ توڑا، ہاتھ اندر ڈال کر کھڑکی کی چٹخنی کھولی اور اندر چلا گیا۔ رات کو یہاں بارش ہوئی تھی، چور کے جوتوں کی کیچڑ یہاں بھی جا بجا دکھائی دے رہی ہے اور اندر بھی۔" احمد صدیقی نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"انسپکٹر قلندر کیس تو حل ہو گیا۔ اس میں مشکل کیا ہے؟"

"مجرم! وہ کہاں ہے!!"

"مجرم اگر بے وقوف ہو تو، چھوٹی موٹی نہیں، بلکہ سنگین غلطی کرتا ہے۔" احمد صدیقی نے اپنے قول زریں کا تڑکا لگایا۔

"کیا مطلب۔" انسپکٹر سکندر نے کہا۔

"مطلب یہ کہ چور اسی گھر کا کوئی فرد ہے۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو تم۔ بادامی بیگم کو غصہ آ گیا۔

"میں رات کو گھر میں اکیلی تھی، کوئی اور فرد میرے ساتھ رہتا نہیں ہے۔"

"ملازم؟"

"دو ملازم ہیں۔ دونوں باپ بیٹے ہیں اور میرے شوہر کے گاؤں کے مزارعے ہیں، بھروسے والے ہیں۔"

"ملازموں کے کام کی نوعیت...... مطلب...... باپ کیا کرتا ہے...... اور بیٹا کیا کرتا ہے۔؟"

"باپ کچن میں کام کرتا ہے اور ساتھ ساتھ لان کی دیکھ بھال بھی جب کہ بیٹا صفائی ستھرائی کے کاموں کے علاوہ باہر کے کام بھی کرتا ہے، باقی گارڈز ہیں وہ جو دروازے کی طرف ہوتے ہیں۔"

"کہاں ہیں وہ...... باپ بیٹا، انھیں بلائیں......؟"

"اپنے گاؤں گئے ہوئے ہیں، پچھلے تین دن سے۔"

"کیا آپ کو یقین ہے کہ وہ گاؤں میں ہی ہیں؟"

"بالکل یقین ہے...... کل شام میری بات ہوئی تھی ان سے، اس کی بیوی اور بیٹی سے بھی بات ہوئی۔"

"اوہ۔" احمد صدیقی نے انسپکٹر قلندر کی طرف دیکھا۔

"ویسے تو اس ہار کی حیثیت غیرقانونی ہی رہی ہوگی لیکن پھر بھی آپ نے اثر رسوخ کے ذریعے انشورنس تو کرا ہی لی

ہوگی؟" احمد صدیقی نے سرسری انداز میں پوچھا۔
"جی ہاں ..... آف کورس..... اتنی مہنگی چیزوں کی انشورنس تو کرانی ہی پڑتی ہے۔" بادامی بیگم نے ہار کی حیثیت والی بات پر کوئی ردعمل دینے سے احتراز کیا اور نظر انداز کر گئیں۔
احمد صدیقی نے انسپکٹر قلندر کی طرف دیکھا۔
"قلندر..... ضابطے کی کارروائی مکمل کرو۔ جوتوں کے جو نشان ملے ہیں، ان سے تمھیں چور کو پکڑنے میں مدد ملے گی۔"
بادامی بیگم طنزیہ انداز میں بولیں۔ "بہت خوب، تو یہی ہے آپ کی انوسٹی گیشن.....؟ آپ تو کہہ رہے تھے کہ چٹکی بجاتے ہی چور کو پکڑ لیں گے....."
"ہاں..... پپ..... پکڑ لیں گے....." انسپکٹر قلندر نے ہکلا کر کہا۔
"خاک پکڑ لیں گے....." بادامی بیگم کو غصہ آ گیا۔
"جوتوں کے نشان لے لو....." وہ طنزیہ انداز میں گویا ہوئیں۔ "اب آپ لوگ پورے شہر میں ہر آدمی کے جوتوں کو چیک کریں گے اور دیکھیں گے کہ کہ یہ نشان کس کے جوتے کے ہیں اور جوں ہی کسی کے جوتوں سے نشان میچ کر جائیں گے آپ اسے پکڑ لیں گے کیوں یہ کیس آپ کے اچھے بھی حل نہیں کر سکتے؟"
"بادامی بیگم آپ نے کہا کہ یہ کیس میرے اچھے بھی حل نہیں کر سکتے، اچھوں کی بات چھوڑ دیجیے، یہ کیس تو میرے بچے بھی حل کر سکتے ہیں۔"
"آپ کے بچے؟"
"ہاں کہیں تو بلاؤں انھیں..... دعوے سے کہتا ہوں، بیس منٹ میں وہ آپ کا ہار اور ہار کا چور آپ کے سامنے پیش کر دیں گے....."
"اچھا..... تو یہ بھی صحیح..... بلایے اپنے تیس مار خان بچوں کو اگر وہ بیس منٹ میں چور نہ پکڑ سکے تو؟"
"تو..... پانچ کروڑ روپے کا ہار میں آپ کو خود خرید کر دوں گا....."
انسپکٹر قلندر کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ بادامی بیگم بھی عجیب نظروں سے انھیں دیکھنے لگیں۔ انھیں اپنی سماعت پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

☆.....☆

عمر اور علی اسکول سے گھر جا رہے تھے جب اُن کے بابا جانی، احمد صدیقی کا فون آیا۔
"ہیلو بابا جانی..... السلام وعلیکم۔" علی نے فون کال وصول کرتے ہوئے کہا اور ساتھ ہی اسپیکر آن کر دیا۔
"وعلیکم السلام..... کہاں ہو تم دونوں.....؟"
"سڑک پر ہیں..... عمر مجھے سڑک پر لے آیا ہے۔"
"اوہ..... مطلب گاڑی میں ہو اور گھر جا رہے ہو۔" انھوں نے ٹریفک کی آوازیں سن لی تھیں۔
"جی بابا جانی....."
"گھر مت جاؤ..... بادامی بیگم کا گھر دیکھا ہے؟"
"وہ جو مشہور سیاست دان کی بیوی ہیں.....؟"
"ہاں..... وہی....."
"نہیں..... گھر نہیں دیکھا....."
احمد صدیقی نے پتا بتاتے ہوئے کہا۔ "سیدھے یہاں آ جاؤ، آج تمھارا امتحان ہے۔"
"کیسا امتحان بابا جانی۔" علی نے چونک کر پوچھا۔

"یہاں آ جاؤ..... تو بتا دیتا ہوں۔" انھوں نے رابطہ منقطع کر دیا۔ علی نے عمر کی طرف دیکھا۔
"امی جان کو فون کر کے بتا دو کہ ہم گھر نہیں آ رہے، بابا جانی کے پاس جا رہے ہیں۔" عمر نے ہدایت دی۔ عمر بڑا تھا، اس لیے حکمیہ انداز بھی اختیار کر لیتا تھا۔
علی نے امی جان (بیگم احمد صدیقی) کا نمبر ملا دیا اور عمر نے گاڑی اگلے یوٹرن سے موڑ لی، بادامی بیگم کا پتا اس نے ذہن نشین کر ہی لیا تھا۔

☆.....☆

مطلوبہ کوٹھی زیادہ فاصلے پر نہیں تھی۔ کچھ ہی دیر میں اُن کی گاڑی بادامی بیگم کی کوٹھی کے باہر پہنچ گئی، وہاں پہلے سے ہی پولیس کی تین چار موبائلیں کھڑی تھیں، کچھ سپاہی ادھر اُدھر منڈلاتے دکھائی دیے، جن میں ایک دو چوکس بھی تھے۔
اُن کے بابا جانی کی گاڑی بھی باہر ہی موجود تھی۔
سپاہیوں کو ہدایت کر دی گئی تھی کہ دو لڑکے آئیں گے جن کے نام عمر اور علی ہیں، اُنھیں فوراً اندر پہنچایا جائے، اُنھیں فوراً اندر پہنچا دیا گیا۔
بادامی بیگم اُنھیں دیکھتے ہی حیرت سے کھڑی ہو گئیں۔
"یہ..... یہ بچے مجرم کو پکڑیں گے؟" اُن کے لہجے میں حیرت تھی۔
انسپکٹر قلندر، اور احمد صدیقی بھی وہیں موجود تھے۔
"جی۔" احمد صدیقی نے کہا۔ "یہ میرے بیٹے ہیں عمر اور علی..... ان کا کوئی توڑ نہیں ہے۔ یہ جب میدان میں آتے ہیں تو میدان خالی ہو جاتا ہے یہ بیس منٹ میں بتا دیں گے کہ آپ کا ہار کس نے چرایا ہے۔"
"ناممکن۔" بادامی بیگم نے بے یقینی سے انکار میں گردن ہلائی۔
"سانچ کو آنچ کیا..... اور ہاتھ کنگن کو فارسی کیا۔"
"فارسی نہیں آرسی....." عمر نے فوراً تصحیح کی۔
"آرسی بھی تو فارسی ہے....." علی نے فوراً کہا۔
"جی نہیں، آرسی ہندی ہے، لہٰذا معلومات مت دیا کرو..... اطہر علی ہاشمی غلطی پکڑ لیں گے۔"
"یہ اطہر ہاشمی کون ہیں؟" بادامی بیگم نے چونک کر پوچھا۔
"ایک خطرناک آدمی ہیں، جو غلطیاں پکڑتے ہیں۔" احمد صدیقی نے جواب دیا۔
"خیر۔" بادامی بیگم بولیں۔ "تمھارا کہنا ہے کہ یہ بچے بیس منٹ میں ہار کے چور کو پکڑ لیں گے؟"
"جی ہاں....." احمد صدیقی نے جواب دیا۔
"اور اگر نہ پکڑ سکے تو....."
"تو میں آپ کو پانچ کروڑ روپے ادا کروں گا....."
بادامی بیگم نے طنزیہ انداز میں ان کی طرف دیکھا اور بولیں۔ "پانچ کروڑ بہت بڑی رقم ہوتی ہے، کبھی دیکھی ہے تم نے؟"
احمد صدیقی مسکرائے اور جیب سے چیک بک نکال کر پانچ کروڑ کا چیک بنا کر ان کی طرف بڑھا دیا۔
"آپ میرے بینک میں فون کر کے تصدیق کر لیں کہ یہ چیک کیش ہو سکے گا یا نہیں۔"
بادامی بیگم کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔
"کیا چیز ہیں آپ؟" اس کا لہجہ اچانک مؤدب ہو گیا۔ تم سے آپ پر آ گئیں۔
"ناچیز کو وکیل احمد صدیقی کہتے ہیں۔"

’’اوہ ...... اوہ ...... تو ...... تت ...... تو آپ وہ مشہور وکیل ہیں جو......‘‘ بادامی بیگم اپنی بات پوری نہ کر سکیں۔

’’جی وہی وکیل جس نے آپ کے شوہر کا پانچ کروڑ روپے کے ہار کا کیس لڑنے سے انکار کر دیا تھا۔‘‘

بادامی بیگم چپ ہو گئیں۔

’’ہم اپنا کام شروع کر دیں؟‘‘ احمد صدیقی نے پوچھا۔

’’جی لیکن بیس منٹ سے ایک بھی منٹ زیادہ ہوا تو میں یہ چیک رکھ لوں گی، واپس نہیں کروں گی۔‘‘

’’ٹھیک ہے اور اگر بیس منٹ میں کیس حل کر دیا تو؟‘‘

’’میں بچوں کو انعام دوں گی ...... پورا ایک کروڑ۔‘‘

وہ یہ کہہ کر صوفے پر بیٹھ گئیں۔

احمد صدیقی اور انسپکٹر قلندر نے جلدی جلدی عمر اور علی کو ساری تفصیل بتائی اور کہا۔

’’تمھارا وقت شروع ہوتا ہے اب......‘‘

عمر اور علی نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، ایک دوسرے کے ہاتھ پہ ہاتھ مارا ...... اور پھر سیدھے اس کمرے کی طرف گئے جہاں سے ہار چوری ہوا تھا۔

اچھی طرح پورے کمرے کا معائنہ کیا، پھر باہر آئے، اُس کھڑکی کا معائنہ کیا جس سے چور اندر داخل ہوا تھا۔ باہر لان کی طرف جا کر بھی کھڑکی کے اطراف میں باریک بینی سے دیکھا۔ کانچ کے ٹکڑوں کو اُٹھا کر قریب سے دیکھا اور مسکرائے، پھر وہ لاؤنج میں آ گئے جہاں سب اُن کے منتظر تھے۔

’’آپ کا کہنا ہے کہ رات کو جب آپ واپس آئیں تو اس وقت ہار تجوری میں ہی تھا؟‘‘ عمر نے پوچھا۔

’’ہاں میں نے واپسی پر انگوٹھیاں تجوری میں رکھیں تو اس وقت ہار وہیں دیکھا تھا۔‘‘

’’اور آپ کے علاوہ رات کو اس گھر کے اندر کوئی اور نہیں تھا؟‘‘ علی نے پوچھا۔

’’نہیں یہ میں بتا چکی ہوں کہ میں کوٹھی میں اکیلی تھی، دروازے کھڑکیاں اندر سے بند تھے۔ میں صبح جاگی تو اس کھڑکی کا شیشہ ٹوٹا ہوا تھا۔ کھڑکی بھی کھلی ہوئی تھی۔‘‘

’’پھر آپ نے کیا کیا؟‘‘

’’میں گھبرا گئی اور جا کر سیف چیک کیا تو اس کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور ہار غائب تھا۔‘‘

’’اور کیا کیا غائب تھا سیف میں سے؟‘‘

’’کچھ نہیں صرف ہار چوری کیا گیا تھا۔‘‘

عمر اور علی نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ بادامی بیگم نے گھڑی کی طرف نظریں دوڑائیں اور بولیں۔

’’پندرہ منٹ ہونے والے ہیں......‘‘

انسپکٹر قلندر نے گھبرا کر عمر علی اور احمد صدیقی کی طرف دیکھا اس کا اپنا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا جیسے شرط ہارنے کی صورت میں پانچ کروڑ اس کی جیب سے جائیں گے۔

عمر نے ایک طویل سانس لیتے ہوئے بادامی بیگم کی طرف دیکھا۔

’’بادامی بیگم صاحبہ...... اس کا ایک ہی مطلب ہے کہ چور کو معلوم تھا کہ آج کی رات، وہ قیمتی ہار اس سیف میں ہے اور اسے یہ بھی معلوم تھا کہ آپ کے علاوہ گھر میں رات کو کوئی نہیں ہوگا۔‘‘

’’اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ گھر کی پچھلی دیوار کود کر وہ آسانی سے اندر آ سکتا ہے۔ کھڑکی کا شیشہ توڑ کر کھڑکی کو کھول سکتا ہے اور اندر جا کر ہار چوری کر سکتا ہے۔‘‘ علی نے سوچتے ہوئے کہا۔

’’ہاں شاید...... جب ہی تو اس نے واردات کی۔‘‘

’’ایک ضمنی سوال ہے، جس کا اس کیس سے ویسے تو کوئی تعلق نہیں جنرل نالج کے لیے پوچھ رہا ہوں، اس ہار کی انشورنس ہو چکی تھی، کتنے کی انشورنس ہوئی ہے؟‘‘ عمر نے کہا۔

’’پانچ کروڑ۔‘‘ بادامی بیگم نے بے ساختہ جواب دیا۔

’’انسپکٹر قلندر بادامی بیگم کو گرفتار کر لیں، یہ ہار انھوں نے خود ہی چرایا ہے...... اس گھر کی تلاشی لیں...... کیچڑ زدہ چھوٹے سائز کے جوتے اسی گھر سے مل جائیں گے...... جو ان کے پیروں میں فٹ آئیں گے......‘‘

بادامی بیگم اچھل کر کھڑی ہو گئیں۔

’’تمھارا دماغ ٹھیک ہے؟‘‘

’’جی ہاں! بالکل ٹھیک ہے۔‘‘ عمر نے جواب دیا۔ ’’آپ گھڑی کی طرف دیکھیں بادامی بیگم صاحبہ، ابھی بیس منٹ پورے نہیں ہوئے۔‘‘

’’کیا بکواس کرتے ہو؟‘‘ بادامی بیگم بھڑک کر بولیں۔

احمد صدیقی کے چہرے پر ایک انوکھی سی مسکراہٹ تھی۔

’’میں بکواس نہیں کرتا بادامی بیگم صاحبہ، میں فرماتا ہوں۔‘‘ عمر نے شوخ لہجے میں کہا۔

’’کیا ثبوت ہے کہ یہ ہار میں نے چرایا ہے۔‘‘

’’کیوں کہ جس کھڑکی سے چور اندر آیا بادامی بیگم صاحبہ، اس کھڑکی کا شیشہ باہر سے نہیں، اندر سے توڑا گیا ہے۔ اسی لیے ٹوٹا ہوا شیشہ باہر لان کی طرف گرا ہے۔‘‘ علی نے کہا۔

’’اور یہ تو آپ تسلیم کر ہی چکی ہیں کہ گھر کے اندر صرف آپ ہی تھیں، کوئی اور نہیں تھا۔‘‘

بادامی بیگم ساکت کھڑی رہ گئیں۔ پھٹی پھٹی آنکھوں سے سب کو گھورنے لگیں۔ احمد صدیقی آگے بڑھے۔

’’مجھے معلوم ہے کہ آپ کے شوہر خود ساختہ جلاوطنی کی زندگی گزار رہے ہیں اور آپ کو پیسوں کی سخت ضرورت ہوگی، اسی لیے ملازم بھی کم ہو گئے ہیں گھر میں، یہ سارا ڈراما محض انشورنس کی رقم حاصل کرنے کے لیے رچایا گیا تھا...... انسپکٹر قلندر...... ہار کا چور حاضر ہے...... لائیے میرا چیک واپس کر دیں۔‘‘

بادامی بیگم کے ہاتھ سے ان کا چیک چھوٹ کے گر گیا۔

احمد صدیقی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

’’اُستاد کہتے ہیں، ہر مجرم غلطی کرتا ہے اور سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ وہ جرم کرتا ہے۔‘‘

’’یہ کس استاد نے کہا ہے۔‘‘ انسپکٹر قلندر نے پوچھا۔

’’احمد صدیقی، شہر کے جانے مانے وکیل ہیں، گرفتار کر لو بیگم بادامی کو، اب پانچ کروڑ کے ہار کا کیس بھی دوبارہ کھلے گا۔ ہار اسی گھر میں کہیں ہے۔ وہ ہم ڈھونڈ ہی لیں گے۔‘‘

عمر اور علی کے چہروں پر مسکراہٹ رینگ گئی۔ ویسے اُنھیں معلوم تھا کہ اُنھیں انعام کی ایک کروڑ کی رقم نہیں ملے گی۔ اگر بادامی بیگم کے پاس پیسے ہوتے تو وہ چوری کیوں کرتیں وہ بھی اپنے ہی گھر میں۔

☆......☆

اس تحریر کے مشکل الفاظ

طرف داری: ساتھ دینا / مدعی: بات کہنے والا

تند مزاج: غصہ والا مزاج

قلندر: درویش / قفل: تالا

خود ساختہ: خود سے بنایا ہوا

جلاوطنی: وطن سے نکالے جانا / کواڑ: دروازہ

کوشش جاری رکھیں

تحریر	قلم کار	کیفیت
ہوشیار بن کے رہو	ش۔ر	نامناسب
ہادی	ا۔گ	مزید محنت کریں
آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا	آ۔س	مزید محنت کریں
میرا آرام گھر	ب۔س	مزید محنت کریں
آزادی کا دن	ح۔ب۔ح	نقل شدہ
فرق	م۔ع	مزید محنت کریں
قصہ ایک سفید خرگوش کا	ش۔ر	شائع شدہ
الو اور ہنڈی	م۔ا	مزید محنت کریں
صرف محنت نہیں	ح۔ن	عمومی کہانی
چینل نمبر ۲۲۰	م۔ع	نامناسب
ننھی دل	م۔ا	حوالہ نہیں
بے زبان رہنما	ن۔ا	عمومی آئیڈیا
وطن پاکستان بچاؤ	ع۔ر	عمومی خیال
آنیو شفقی	ا۔گ	مزید محنت کریں
ایک لڑکی	نامعلوم	مزید محنت کریں
اتحاد میں برکت	س۔ا	بچوں کے لیے نہیں
بھول نمبر کا جن	م۔ش	سمت واضح نہیں
مہنگی چوری	ا۔ر	مزید محنت کریں
خالہ کا گھر	نامعلوم	نہ نام نہ پتا
فیصلہ	ح۔ا	پرانا خیال

تحریر	قلم کار	کیفیت
گرمی کی محفل نہ کر قبول	ا۔ر	بچوں کے لیے نہیں
بھول	م۔م	مزید محنت کریں
اپنے ہوئے پرائے	نامعلوم	نہ نام نہ پتا
غرور کا نتیجہ	نامعلوم	نہ نام نہ پتا
عادل کے نام	ا۔گ	مزید محنت کریں
صبر و شکر	نامعلوم	نہ نام نہ پتا
دنیا گول ہے	ذ۔ع	عمومی
ایک بندر اور مگرمچھ	نامعلوم	نام نہ پتا
حق آ گیا اور باطل مٹ گیا	ح۔ا	مزید محنت کریں
دنیا کے مختلف مقامات میں ایٹمی تجربات	م۔م۔ا	انتخاب
آئرلینڈ کا راز	س۔ع	مزید محنت کریں
اسلام کی برکتیں	نامعلوم	نام نہ پتا
پاکستان کا مقصد	س۔ا	غیر دلچسپ
ایک روسی نوجوان	نامعلوم	نام نہ پتا
دراز قد	ر۔ن	عمومی
ساری بھول ہماری تھی	ن۔ع	مزید محنت کریں
بچھوے کی آپ بیتی	م	نقل شدہ
محبت سے بچو	ی۔ش	مزید محنت کریں
پرانی کہانی نیا انداز	م۔ع	مزید محنت کریں

آپ کی نگارشات

آپ کی نگارشات میں سب سے عمدہ تخلیق کو "دی زیل اسکولز" کے تعاون سے بہترین انعام دیا جاتا ہے۔

"آپ کی نگارشات" میں حصہ لینے والے اپنی کہانیاں، مضامین، نظمیں ہمیں روانہ کر سکتے ہیں۔ ضروری نوک پلک کے بعد آپ کی نظم/تحریر کو شائع کیا جائے گا۔

☆ تحریر، پانچویں جماعت تک کے طلبہ بھیج سکتے ہیں۔

☆ نظم بھیجنے کے لیے عمر یا جماعت کی کوئی قید نہیں۔

☆ اپنی نگارشات کے ساتھ اپنی ایک عدد تصویر بھیجیں جسے تحریر/نظم کے ساتھ شائع کیا جائے گا۔

سردی کا موسم

رافعہ بنت فاروق

سردی کا موسم آیا ہے — اور ٹھنڈی ہوائیں لایا ہے
کھاؤ مونگ پھلی، چلغوزے — پہنو پیروں میں تم موزے
چائے پئیں گے اور کافی بھی — شربت سے ہو جائے گی کھانسی بھی
پہنو جیکٹ، اوڑھو رضائی — موسم میں ہے ٹھنڈ جو آئی
سارے پرندے دبک رہے ہیں — سردی سے سب ٹھٹھر رہے ہیں
کہتا ہے سردی کا موسم — گرم رکھو تم خود کو ہر دم

جنت کے پھول

طوبیٰ بنت فاروق

سب بچے اچھے ہوتے ہیں — سب بچے من کے سچے ہیں
دولت مند نہیں بھی ہوں تو — بچے تو بچے ہوتے ہیں
مٹی کے گھروندے بناتے ہیں — مٹی کے یہ متوالے ہیں
آپس میں لڑائی کرکے بھی — یہ پھر سے اک ہوجاتے ہیں
جب بات بڑے نہ مانیں تو — رو رو کر یہ منواتے ہیں
نفرت یہ نہیں رکھتے دل میں — دل صاف یہ سب سے رکھتے ہیں

بچے خواہ جس کے بھی ہوں طوبیٰ
ہم کو تو اچھے لگتے ہیں

پیاری چڑیا

مرسلہ: عریشہ فاطمہ

پیاری پیاری بھولی بھالی — اُڑتی جائے ڈالی ڈالی
اس کے بچے بھی ہیں پیارے — جیسے ہوں چاند ستارے
جھولے اور لہرائے چڑیا — سب کا دل بہلائے چڑیا

بھورے رنگ کا کتا

انعامی کہانی

انعام الرحمٰن، جماعت پنجم

ریان ایک اچھا بچہ تھا۔ وہ روز صبح سویرے سیر پر جاتا تھا۔ آج صبح جب اس کی آنکھ کھلی تو اس نے اپنے کمرے کی سامنے والی گھڑیاں پر نظر ڈالی جس میں پانچ بجے تھے۔ آج صبح وہ جلدی اُٹھ گیا اور حسب عادت سیر کے لیے نکلا۔ آج غیر معمولی طور پر ہوا خ ٹھنڈی تھی۔ ٹہلتے ٹہلتے وہ میدان میں پہنچ گیا۔ اچانک اس کی نظر بھورے رنگ کے کتے پر پڑی۔

ریان نے کتے کو نظر انداز کردیا۔ تھوڑی دیر بعد اُسے یہ لگا کہ بھورے رنگ کا کتا اب اس کے بالکل قریب آچکا ہے۔ ریان نے بھاگنے کی کوشش کی مگر کتے نے اسے کاٹ لیا۔ اتفاق سے وہاں چوکیدار بھی موجود تھا۔ اس نے کتے کو مار بھگایا اور ریان کو قریبی ہسپتال لے گیا۔ اب ریان نے وعدہ کرلیا کہ وہ کسی بڑے کے ساتھ ہی باہر جائے گا۔

آزادی کا دن ہے

مرزا بلال سہیل

آزادی کا پیارا دن ہے — آزادی کے نغمے گاؤ
پیارا پیارا اپنا وطن ہے — اپنے دیس پہ جان لٹاؤ
دشمن کو تم چھوڑو نہ ہرگز — دشمن سے تم جا ٹکراؤ

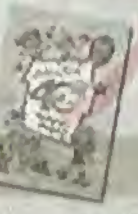

ساتھی

رمشا جاوید

بڑا خوب صورت رسالہ ہے ساتھی — محبت کا دیکھو حوالہ ہے ساتھی
کسی کو کھلونوں سے ہے پیار لیکن — ہمیں جان و دل سے بھی پیارا ہے ساتھی
اسے اپنا رہبر بنایا ہے ہم نے — ہمیں نیکی راہیں دکھاتا ہے ساتھی

نیلا ہیرا

ترجمہ: محمد الیاس نواز

نیلے ہیرے کی کہانی...... جو ایک عجیب و غریب طریقے سے چھپایا گیا تھا

بیکر نے ہیٹ اور ہنس اپنے ہاتھوں میں اُٹھا لیے، پھر بولا: ''بہت اچھا جناب! میں نے یہ برطانوی عجائب گھر کے ساتھ والی سرائے 'الفا' سے لیا تھا۔ اسی سال الفا کے مالک 'وِنڈ یکیٹ' نے ہنس کلب کھولا ہے۔ ہر ہفتے ہم کچھ پیسے گلک میں ڈال دیتے ہیں اور عید کے موقع پر ہم اس رقم سے ہنس خرید لیتے ہیں۔'' اس کے بعد اس نے خدا حافظ کہا اور چلا گیا۔

''خوب۔ ایک سوال کا جواب تو مل گیا کہ مسٹر بیکر بیچارہ چور نہیں ہے۔ واٹسن تمھیں بھوک تو نہیں لگی؟'' میرے کھوجی دوست نے کہا۔

''نہیں زیادہ نہیں۔''

''تو پھر ہم کھانا بعد میں ہی کھائیں گے، ہمیں ابھی اسی وقت لازمی 'الفا' جانا ہے اور مسٹر وِنڈیکیٹ سے ملاقات کرنی ہے۔''

ہومز اور میں کوٹ، ہیٹ لے کر ٹھنڈی سڑک پر نکل کھڑے ہوئے۔ ہمارے سروں پر سیاہ آسمان تھا۔ ہم مشرق کی طرف کچھ دیر چل کر الفا کے سامنے جا پہنچے۔ ہومز نے دروازہ کھولا اور ہم اندر داخل ہو گئے۔

اندر سرائے کے مالک وِنڈیکیٹ نے ہمیں کچھ مشروب پیش کیا۔

''کیا یہ مشروب اچھا ہے؟ میں نے یہ اس لیے پوچھا کیوں کہ مجھے معلوم ہے کہ آپ کے ہنس بہت اچھے ہیں۔ مسٹر ہنری بیکر نے ہمیں تمھارے ہنس کلب کے بارے میں بتایا ہے۔'' ہومز نے اس سے پوچھا۔

''آہا، مگر یہ ہنس ہمارے نہیں بلکہ ایک آدمی کی طرف سے آئے تھے۔ اس کی 'کووینٹ گارڈن' میں چھوٹی سی دکان ہے۔ اس کا نام 'بریکن رِج' ہے۔''

''شکریہ بھلے انسان۔'' ہومز نے کہا۔ ہم نے مشروب کی قیمت ادا کی اور سرائے میں ہی ٹہلتے ہوئے مشروب پیا اور گرم سرائے سے نکل کر دوبارہ ٹھنڈی سڑک پر آ گئے۔

''چلو اب کووینٹ گارڈن۔'' ہومز نے کہا اور ہم برطانوی عجائب گھر والی سڑک کی طرف چل پڑے۔

''یاد رکھنا واٹسن! معاملہ ایک ہنس سے شروع ہوا اور اب مسٹر ہارنر کی سات سالہ قید پر ختم ہونے جا رہا ہے، مجھے لگتا ہے شاید ہم اس دل چسپ معاملے کے بارے میں مسٹر بریکن رِج کی دکان پر مزید جان سکتے ہیں۔''

ہم جنوب کی طرف چلتے ہوئے جلد ہی مسٹر بریکن رِج کی دکان پر پہنچ گئے۔ بریکن رِج اور ایک لڑکا دکان کے دروازے پر ہی موجود تھے۔ شاید رات کے اس پہر دکان بند ہونے کے والی تھی۔

''شب بخیر، بڑی سرد رات ہے۔'' مسٹر ہومز بولا۔

''میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں۔'' مسٹر بریکن رِج نے پوچھا۔

ہومز نے دکان کی خالی کھڑکی کو دیکھتے ہوئے پوچھا ''میرا خیال ہے کوئی ہنس نہیں ہے؟''

''دوسری دکان میں ہیں کچھ... آپ کی پچھلی طرف۔'' مسٹر بریکن نے کہا۔

''آہ ہاں، مگر میں آپ کی طرف آیا ہوں کیوں کہ میں نے سنا ہے کہ آپ کے ہنس بہت اعلا ہیں''۔

''بریکن رِج کے پرندے شاندار۔''...... ہومز بولا۔

''کس نے کہا؟'' مسٹر بریکن نے پوچھا۔

''الفا کے مالک نے۔'' ہومز نے بولا۔

''آہا، ہاں... اس نے عید سے دو دن پہلے چوبیس ہنس خریدے تھے۔'' مسٹر بریکن نے بتایا۔

''وہ تو بہت اچھے تھے، آپ نے کہاں سے لیے تھے؟''

ہومز نے پوچھا۔

"یہ تو میں تمھیں نہیں بتاؤں گا۔" بریکن رج غصے سے بولا۔

"بار بار لوگ آ کر ان ہنسوں کے بارے میں پوچھتے ہیں اور مجھے یہ بالکل پسند نہیں۔ میں نے ان کی اچھی خاصی رقم ادا کی تھی۔ میں انھیں 'الفا' بیچ کر سب بھول گیا مگر پھر بھی اس کے بعد اتنے سارے سوالات پوچھے گئے کہ ہنس کہاں ہیں؟ آپ ان کا کتنا معاوضہ چاہتے ہیں؟ کون آپ کو بیچتا ہے؟ مجھے نہیں پتا کہ لوگ ان میں اتنی دلچسپی لے رہے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ لندن میں صرف یہی ہنس کی دکان تو نہیں ہے۔"

"میں جانتا ہوں، مگر اس سے پہلے کس نے تم سے ان ہنسوں کے متعلق پوچھا؟ میں نے تو نہیں ابھی تک پوچھا مجھے اس کی ضرورت بھی کیا تھی مگر مجھے اب تمھاری مدد چاہیے۔ ہوا یوں کہ ہم نے 'الفا' میں ایک ہنس خرید کر کھایا تو میں نے کہا کہ یہ ایک دیسی ہنس تھا مگر یہ جو میرے دوست ہیں ڈاکٹر واٹسن، یہ کہتے ہیں کہ یہ لندن کا ہنس تھا۔ اب ہم میں سے کون ٹھیک ہے۔ یہ ایک اہم سوال ہے، کیونکہ جیتنے والے کو پانچ پاؤنڈ ملیں گے۔" ہومز نے کہا۔

"اچھا پھر تو تمھارا نقصان ہو گیا اور تمھارا دوست جیت گیا۔ وہ ہنس لندن ہی سے آئے تھے۔" بریکن رج بولا۔

"میں کیسے یقین کرلوں؟" ہومز بولا۔

"ایک پاؤنڈ کہتا ہے کہ میں ٹھیک ہوں۔" مسٹر بریکن نے شرطیہ انداز میں کہا۔

ہومز نے ایک پاؤنڈ جیب سے نکالا اور بولا: "بہت اچھا، میں دینے کو تیار ہوں مگر میں جانتا ہوں کہ تم اپنی رقم کھونے جا رہے ہو۔"

"بل بکس (Bill Books) اُٹھا کر لاؤ۔" بریکن رج نے ہنستے ہوئے کہا تو لڑکا اٹھا کر لے آیا۔

بریکن رج نے چھوٹی بک کھولی اور بولا: "یہ میری ایڈریس بک ہے۔ جب لوگ ہنس فروخت کرنے آتے ہیں تو ان کے ایڈریس اس میں لکھتا ہوں۔ دیہاتیوں کے بائیں طرف اور شہریوں کے دائیں طرف، ناموں کے بعد لکھے ہوئے نمبر اصل میں بڑی والی بک کے صفحہ نمبر ہیں۔ سیدھی طرف والا تیسرا نام پڑھیے۔"

"مسز اوکس ہاٹ، ۱۱۷ بریکسٹن روڈ، نمبر ۲۴۹" ہومز نے پڑھا۔

پھر بریکن رج نے بڑی بک کھولی اور بولا: "اور یہ ہے میری 'اِن اور آؤٹ' بک۔ اب دیکھو صفحہ نمبر ۲۴۹ پر، یہاں ہیں مسز اوکس ہاٹ۔ ۲۲ دسمبر کی تاریخ میں تمھیں کیا نظر آ رہا ہے؟"

"مسز اوکس ہاٹ کی طرف سے چوبیس ہنس آئے اور تمام کے تمام 'الفا' میں مسٹر ونڈ یکیٹ کی طرف گئے۔" ہومز نے پڑھا۔

"اب یہاں تم کیا کہو گے؟" بریکن رج نے کہا۔

ہومز نے غصے میں پاؤنڈ بریکن رج کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

☆......☆

ہومز سڑک پر رُک گیا۔ وہ بالکل بھی غصے میں نہیں تھا۔ اچانک وہ ہنسنا شروع ہو گیا اور بولا: "تم نے دیکھا واٹسن! پہلے تو بریکن رج مسز اوکس ہاٹ کا نام اور پتا بتانے کو بالکل تیار نہیں تھا مگر بعد میں جب اس نے دیکھا کہ وہ مجھ سے آسانی سے ایک پاؤنڈ حاصل کر سکتا ہے تو اس نے مجھے ہر چیز بتا دی اور تم نے سنا کہ اس نے ایک بات بڑی دل چسپ کہی، جب وہ غصے میں تھا کہ دوسرے لوگ مجھ سے ہنسوں کے بارے میں سوالات کرتے ہیں۔"

اچانک ہماری پیٹھ کے پیچھے بریکن رج کی دکان سے شور کی آواز آئی۔ ہم نے مڑ کر دیکھا تو بریکن رج اپنی دکان کے سامنے غصے میں کھڑا نظر آیا، جب کہ ایک چھوٹا اور کمزور آدمی اس کے سامنے سڑک پر کھڑا تھا۔

بریکن رج چیخا: "دیکھو! میں ان ہنسوں کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں سننا چاہتا۔ مسز اوکس ہاٹ جب چاہیں آسکتی ہیں اور مجھ سے بات کر سکتی ہیں مگر تم نہیں۔ تمھارے پاس کوئی کام نہیں ہے کرنے کو؟ کیا میں نے ہنس تم سے لیے تھے؟"

"نہیں، مگر ان میں سے ایک ہنس میرا تھا۔ میں نے تمھیں بتایا ہے۔" چھوٹے آدمی نے التجا کی۔

"اس کے بارے میں مسز اوکس ہاٹ سے پوچھو۔"

"مگر وہ مجھ سے کہتی ہیں کہ مسٹر بریکن رج سے پوچھو۔"

"اچھا تو پھر میں کچھ نہیں کر سکتا۔ میں تم سے مزید کچھ نہیں سننا چاہتا، سمجھے تم؟ اب دفع ہو جاؤ۔"

بریکن رج نے غصے سے دکان کا دروازہ بند کیا اور چھوٹا آدمی اندھیری سڑک پر دوڑنے لگا۔

"یہ سب کچھ ہونے کے بعد شاید ہمیں مسز اوکس ہاٹ کے گھر بریکسٹن روڈ جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ چلو کیوں نا اس آدمی سے بات کرتے ہیں۔ شاید یہ ہماری مدد کر سکے۔" ہومز پرسکون انداز میں مجھ سے بولا۔

ہومز نے خاموشی سے اس آدمی کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ ایک دم رُکا اور پیچھے مڑ کر دیکھا تو ہمیں کھڑا پایا۔ اس کا چہرہ سفید تھا۔

"آپ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں۔" اس نے کمزور آواز میں کہا۔

"معذرت کے ساتھ...... ہم نے وہ سوالات سنے جو تم نے دکان دار سے کیے۔ میرا خیال ہے کہ ہم تمھاری مدد کر سکتے ہیں۔" ہومز نے کہا۔

"آپ کون لوگ ہیں اور میری مدد کیسے کر سکتے ہیں؟"

"میرا نام شرلاک ہومز ہے اور میرا کام یہی ہے کہ چیزوں کے بارے میں وہ کچھ جانوں جو دوسرے لوگ نہیں جانتے۔" ہومز نے بتایا۔

"مگر آپ تو اس بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے۔"

"معاف کیجیے گا...... میں ہر چیز جانتا ہوں۔ تم ان چوبیس ہنسوں کی تلاش میں ہو جو بریکسٹن روڈ سے مسز اوکس ہاٹ نے یہاں بریکن رج کو فروخت کیے۔ اس نے الفا

کے مالک مسٹر وِنڈیکیٹ کو فروخت کر دیے اور وِنڈیکیٹ نے اپنے ہنس کلب میں لوگوں کو بیچ دیے۔''

''اوہ... جناب! یہ تو حیرت انگیز بات ہے۔ مجھے آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔ آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ مجھے ان ہنسوں میں بہت دلچسپی ہے۔ جتنی میں کہہ سکتا ہوں اس سے بھی کہیں زیادہ۔'' چھوٹے آدمی نے جذباتی انداز میں کہا۔

''مزید گفتگو کے لیے کیوں نہ ہم میرے گھر چلیں؟ مجھے اس ٹھنڈی سڑک پر کھڑے ہو کر بات کرنا پسند نہیں۔'' ہومز نے ہاتھ کا اشارہ کیا تو ایک ٹیکسی آ کر رُکی۔

''مگر اس سے پہلے کہ ہم چلیں، کیا آپ ہمیں اپنا نام بتا سکتے ہیں؟'' ہومز نے پوچھا۔

چھوٹے آدمی نے جواب دینے سے پہلے ہومز کو دیکھا اور پھر مجھے دیکھا۔ ''جے۔جے۔جان روبنسن۔'' وہ بولا۔

''نہیں، نہیں۔ ہم آپ کا اصل نام جاننا پسند کریں گے۔ مہربانی ہوگی۔'' ہومز اطمینان سے بولا۔

اجنبی کے چہرے کا رنگ سفید سے بدل کر سرخ ہو گیا: ''بہت اچھا! میرا اصل نام جیمز رائیڈر ہے۔'' وہ بولا۔

''خوب، خوب، خوب...... کاسمو پولیٹن ہوٹل کے اسسٹنٹ منیجر...... فی الحال تو ٹیکسی لے کر گھر چلتے ہیں، پھر ہم تمہیں ہر وہ چیز بتا سکیں گے جو تم جاننا چاہتے ہو۔'' ہومز بولا۔

چنانچہ ہم نے ٹیکسی پکڑی اور گھر روانہ ہو گئے۔ رائیڈر جذباتی نظر آ رہا تھا مگر وہ کچھ بولا نہیں۔ ہومز بھی سارے راستے خاموش بیٹھا رہا۔ ہم جب اس کے گھر 221B بیکر اسٹریٹ پہنچے تو ٹیکسی سے اُتر کر سیدھے ہومز کی بیٹھک میں آ گئے۔ بالآخر ہومز بولا:

''مہربانی فرما کر بیٹھ جائیے مسٹر رائیڈر... تو ہم کہاں تھے... آہا ہاں... تم یہ جاننا چاہتے ہو کہ ان چوبیس ہنسوں پر کیا گزری اور شاید یہ بھی کہ ان میں سے ایک پر کیا بیتی؟ کیونکہ میرا خیال ہے کہ تمہیں صرف ایک ہی ہنس میں دلچسپی ہے۔ سفید رنگ کا وہ ہنس جس کی کالی دُم تھی۔''

''او جناب! وہ پرندہ کہاں گیا؟'' رائیڈر جذباتی ہو کر بولا۔

''وہ ایک بہت دل چسپ پرندہ تھا وہ یہاں آیا تھا۔ اسے ذبح کرنے کے بعد ہمیں ایک بہت ہی حیرت انگیز چیز ملی... یہ رہی وہ۔''

ہمارا مہمان کمزوری کے ساتھ کھڑا ہوا۔ ہومز نے اپنی تجوری کھولی اور جب ہاتھ باہر نکالا تو ہیرا اس کے ہاتھ پر تھا، جو آنکھوں کو ٹھنڈا اور خوب صورت لگ رہا تھا۔ رائیڈر نے ہیرے کی طرف دیکھا مگر کچھ نہیں بولا۔

ہومز نے اس سے کہا: ''ہمیں معلوم ہے کہ وہ تم تھے رائیڈر! بیٹھ جاؤ اور مشروب لے لو تم بہت کمزور لگ رہے ہو۔''

میں نے رائیڈر کو ایک گلاس مشروب دیا۔ وہ بیٹھ گیا اور

آہستہ سے پیتے ہوئے ہومز کو دیکھنے لگا۔ میں نے دیکھا کہ وہ خوف زدہ ہے۔

''تم مجھے زیادہ نہیں بتانا چاہو گے۔ اس معاملے میں، میں تقریباً ہر بات جانتا ہوں۔ مگر میرے پاس صرف ایک دو سوال ہیں پوچھنے کے لیے۔ تم نے بیگم نواب کے نیلے ہیرے کے بارے میں کیسے سنا؟'' ہومز نے پوچھا۔

''اس کی ملازمہ کیتھرائن کوسیک نے مجھے بتایا تھا۔'' رائیڈر نے جواب دیا۔

''اب میں سمجھ گیا، تو تم اور کیتھرائن کوسیک ہیرا حاصل کر کے بیچنا چاہتے تھے تاکہ بہت ساری رقم حاصل کر سکو۔ تم نے جان ہارنر سے کہا کہ وہ آئے اور کھڑکی کی مرمت کرے کیونکہ تم اس کی پچھلی قید سے واقف تھے۔ جب وہ چلا گیا تو تم نے بیگم نواب کے زیورات کے ڈبے سے ہیرا اُٹھا لیا۔ پھر تم نے پولیس بلالی۔ وہ ایک بار پہلے بھی آ چکے تھے۔ چونکہ ہارنر نے قید میں وقت گزارا تھا اس لیے ان کو یقین تھا کہ ہارنر چور ہے۔ یہ سب کچھ کرنا بہت آسان تھا۔ پھر......''

''اوہ، مہربانی کیجیے! مہربانی کیجیے! میرے والد کے بارے میں سوچیے!...... میری والدہ کے بارے میں سوچیے!...... میں نے اس سے پہلے کوئی غلط کام نہیں کیا اور میں آئندہ بھی ایسی کوئی غلطی نہیں کروں گا۔ مہربانی کر کے پولیس کو مت بتائیے۔ میں نہیں چاہتا کہ میں قید میں جاؤں۔'' رائیڈر نے فریاد کرتے ہوئے ہومز کے پاؤں پکڑ لیے۔

''اپنی کرسی پر بیٹھو!...... اب تم فریاد کر رہے ہو مگر تو جوان ہارنر کے بارے میں تمہیں ذرا سی بھی شرم آئی؟ جو اس جرم کے بارے میں جانتا تک نہیں مگر پولیس کو یقین ہے کہ وہی ہیرا چور ہے۔ اور اسی وجہ سے وہ عدالت گیا اور اب قید ہونے جا رہا ہے۔ یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔'' ہومز نے سرد مہری سے کہا۔

''میں ملک چھوڑ دوں گا مسٹر ہومز! پھر جب میں عدالت ہی نہیں جاؤں گا تو ہارنر قید سے آزاد ہو جائے گا۔''

''اس معاملے کو تو ہم بعد میں دیکھیں گے۔ مگر فی الحال ہمیں مہربانی کر کے یہ بتاؤ کہ تم نے ہوٹل سے ایک ہنس میں ہیرا کیسے ڈالا؟ اور کس طرح ہنس دکان میں پہنچا؟ اور مہربانی کر کے سچ بتانا۔'' ہومز نے کہا۔

رائیڈر نے بتانا شروع کیا:

''جب پولیس نے ہارنر کو گرفتار کیا تو میں ہیرا جیب میں لے کر ہوٹل سے نکل گیا۔ میں ہوٹل میں مزید نہیں رُکنا چاہتا تھا جبکہ پولیس ہر جگہ تھی اور ہر چیز کو دیکھ رہی تھی۔ چنانچہ میں اپنی بہن کے گھر جنوبی لندن چلا گیا۔ وہ بریکسٹن میں اپنے شوہر مسٹر اوکس ہاٹ کے ساتھ رہتی ہیں۔ میں نے راستے میں بہت سارے پولیس افسر دیکھے اور جب میں بریکسٹن روڈ پہنچا تو بہت خوف زدہ تھا۔

''کیا معاملہ ہے؟'' میری بہن نے پوچھا۔

میں نے اسے ہیرے کی چوری اور ہارنر کی گرفتاری کے

بارے میں بتایا۔ پھر میں گھر کے پچھلے باغیچے میں سگریٹ نوشی کے لیے چلا گیا اور سوچنے لگا کہ اب میں اس ہیرے کا کیا کرسکتا ہوں؟

مجھے اپنا دوست 'موڈسلے' یاد آگیا۔ اس کی شروع کی زندگی بڑی اچھی تھی مگر پھر غلط طرف چلا گیا تھا۔ بالآخر وہ اپنے جرائم کی وجہ سے قیدی بن گیا تھا۔ میں نے سوچا' شاید وہ ہیرے کی فروخت کے بارے میں جانتا ہو' چنانچہ میں نے شمالی لندن کے علاقے 'کلبرن' میں واقع اس کے گھر جانے کا فیصلہ کرلیا۔

مگر میں نے سوچا کہ "میں کس طرح اس ہیرے کے ساتھ لندن پار کرسکتا ہوں؟ سڑکوں پر الرٹ پولیس افسروں کی اس بھیڑ میں ہیرے کو جیب میں رکھ کر تو نہیں لے جاسکتا۔" پھر میں نے باغ میں ٹہلتے ہنسوں کی طرف دیکھا اور کچھ سوچا۔ میں یہ جانتا تھا کہ ان میں سے ایک ہنس میرے عید کے عشائیے کے لیے ہے۔ لہٰذا میں نے فیصلہ کیا کہ اپنا ہنس اسی جگہ اور اسی وقت حاصل کروں اور انتظار نہ کروں۔

میں نے جلدی سے ایک کالی دُم والا بڑا سفید ہنس پکڑا اور جلدی سے اپنی جیب میں سے ہیرا نکال کر ہنس کے منہ میں ڈال دیا۔ میں نے محسوس کیا کہ ہیرا ہنس کے حلق سے نیچے اُتر گیا ہے۔ ہیرا اب ہنس کے پیٹ میں تھا اور میں خوش تھا کہ اب میں بہ آسانی کلبرن کو جاسکتا ہوں۔

اسی لمحے میری بہن باغیچے میں آگئی۔

"تم اس ہنس کے ساتھ کیا کررہے ہو؟" اس نے کہا۔

میں نے پکڑا ہوا ہنس چھوڑ دیا اور وہ دوسرے ہنسوں کے ساتھ بھاگ گیا۔ میں نے کہا: "میں عید کے لیے بھی ہنس لینا چاہتا ہوں۔"

"بہت اچھا! اسے پکڑو، ذبح کرو اور اپنے ساتھ لے جاؤ۔" وہ بولی۔

بس مسٹر ہومز، میں نے پرندہ پکڑا، ذبح کیا اور اپنے ساتھ کلبرن لے گیا۔ وہاں میں نے اپنے دوست موڈسلے کو ہیرے کے بارے میں سب کچھ بتایا تو وہ ہنسا اور خوب ہنسا۔ ہم نے چھری سے ہنس کو چیر دیا مگر ہمیں ہیرا نہیں ملا۔ میں سمجھ گیا کہ کچھ غلط ہوگیا ہے۔ میں نے ہنس موڈسلے کے پاس ہی چھوڑا اور بہن کے گھر کی طرف دوڑا۔ وہاں پہنچ کر سیدھا پچھلے باغیچے میں گیا مگر وہاں کوئی ہنس نہیں تھا۔

"میگی! کہاں گئے یہ سب؟" میں نے پوچھا۔

"کوونٹ گارڈن میں مسٹر بریکن رج کی دکان پر۔" اس نے بتایا: "یہاں دو کالی دُم والے پرندے تھے۔" میں نے پوچھا۔

"ہاں تھے تو سہی جیمز۔ میری نظر میں تو ان دونوں میں کوئی بھی فرق نہیں تھا۔" وہ بولی۔

میں ساری بات سمجھ گیا کہ ہیرا کالی دُم والے دوسرے ہنس کے پیٹ میں ہے اور وہ ہنس اب بریکن رج کی دکان میں ہے۔ میں ایک مرتبہ پھر کوونٹ گارڈن میں بریکن رج کی دکان کی طرف بھاگا مگر ہنس اب اس کی دکان میں نہیں تھے۔ میں نے جب اس سے ان کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا کہ میں نے وہ سارے ایک ہی دفعہ میں فروخت کردیے ہیں۔"

"مگر تم مجھے یہ لازمی بتاؤ کہ اب وہ کہاں ہیں؟" میں نے اس سے بار بار پوچھا مگر اس نے مجھے نہیں بتایا۔ آپ نے اور ڈاکٹر واٹسن نے آج اسے سنا ہی تھا۔ مسٹر ہومز! اس نے میرے کسی سوال کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اب میری بہن کیا سوچے گی کہ میں ایک خطرناک بھائی ہوں۔ میں ایک چور ہوں۔ میں اپنی ساری نیک نامی گنوانے جارہا ہوں اور اس سب کے باوجود میں اپنے جرم سے کوئی رقم حاصل نہیں کرپایا۔ آہ... اب آپ میرے ساتھ کیا کرنے جارہے ہیں؟"

وہ اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر رونے لگا۔

ہومز نے کوئی لمبی چوڑی بات نہیں کی۔ آخر میں اس نے اُٹھ کر دروازہ کھولا۔

"نکل جاؤ۔" اس نے کہا۔

"اوہ.... شکریہ! بہت شکریہ جناب۔" رائیڈر نے کہا۔

"خاموش ہوجاؤ اور نکل جاؤ۔" ہومز نے دوبارہ کہا۔

اس کے ساتھ ہی رائیڈر دروازے کی طرف دوڑا۔ سیڑھیاں اُترا اور سڑک پر دور ہوتا چلا گیا۔

ہومز بولا: "اتنا کچھ ہونے کے بعد واٹسن! یہ میری ذمہ داری نہیں ہے کہ میں پولیس کے لیے اُن کا کام کروں، جبکہ نوجوان ہارنر کے حق میں بھی سب ٹھیک ہونے جارہا ہے۔ رائیڈر تو اب عدالت جانے کا نہیں اور اس کے علاوہ پولیس کے پاس کوئی گواہ نہیں جس کی بنیاد پر وہ کہہ سکے کہ ہارنر چور ہے۔

شاید میں کچھ غلط کرنے جارہا ہوں مگر میں اس پر یقین نہیں رکھتا۔ میرا خیال ہے کہ میں ایک اچھا انسان بننے میں رائیڈر کی مدد کررہا ہوں۔ ابھی اسے قید میں بھیجنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ اسے ساری زندگی کے لیے چور بنا رہے ہیں۔ جبکہ اس وقت وہ خوف زدہ ہے اور آئندہ وہ کبھی غلط کام نہیں کرے گا۔ ہمیں مجرم کا پتا تو چل گیا ہے اور اس بات سے مجھے خوشی ہوئی ہے اور پھر عید بھی تو ہے۔ اس سب کے باوجود میں اس بات پر یقین رکھتا ہوں کہ عید دوسروں سے خوش اخلاقی کے ساتھ پیش آنے کا نام ہے۔

اچھا واٹسن! اب مسز ہڈسن سے کہو کہ ہمارے لیے رات کا کھانا لے آئے۔"

☆......☆

تحریر: سر آرتھر کونن ڈائیل

جوتا

ایک شخص نے جوتے خریدنے کے بعد دکاندار سے نئے سال کا کیلنڈر طلب کیا تو دکاندار نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔ "جناب کیلنڈر تو ختم ہوگئے ہیں کل کسی وقت رسید دکھا کر کیلنڈر لے جانا۔"

وہ شخص بولا: "اگر رسید گم ہوگئی تو جوتا دکھا کر لے جاؤں گا۔"

مرسلہ: بشریٰ مہتاب، سوات

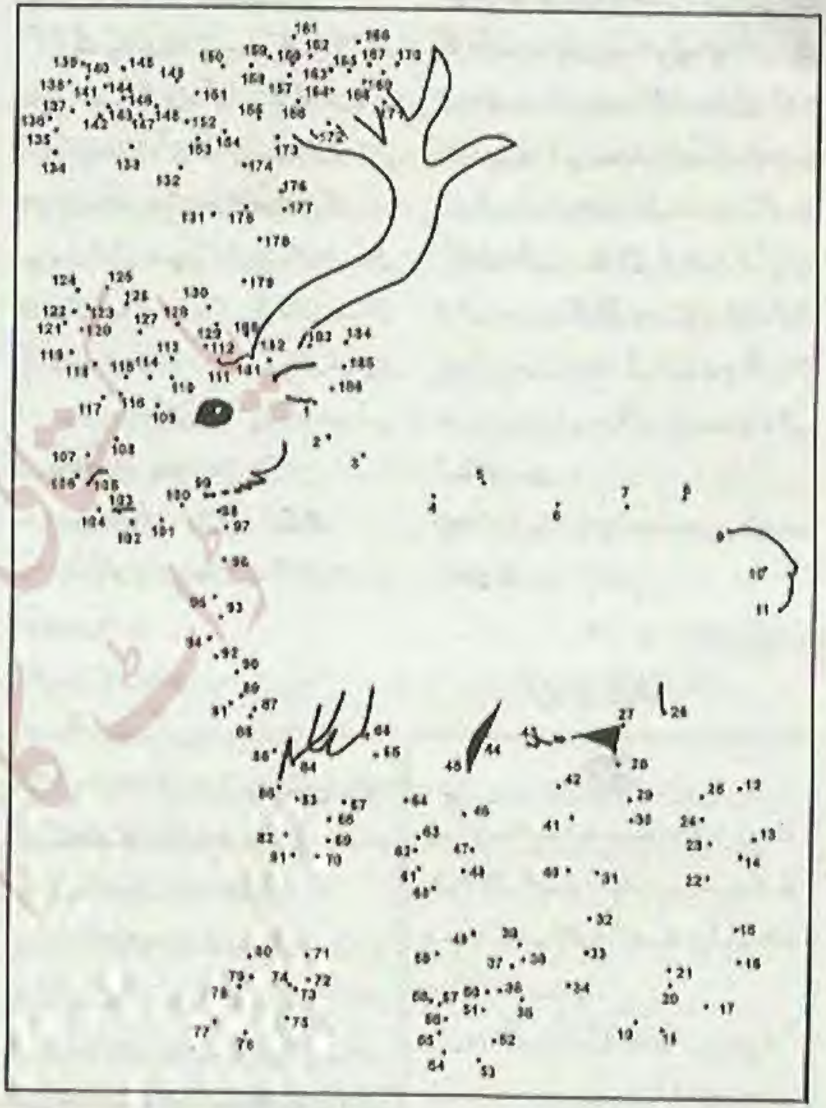

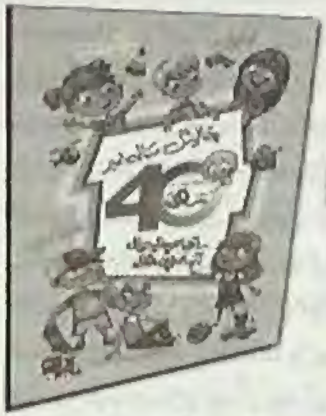

اطہر علی ہاشمی
مدیر اعلیٰ روزنامہ جسارت

ساتھی
دلکش اور شاندار

ماہنامہ ساتھی کا ۴۰ سالہ نمبر توقعات سے بڑھ کر شاندار ہے۔ ایسا دلکش اور ضخیم نمبر شائع کرنے پر ساتھی کی پوری ٹیم مبارک باد کی مستحق ہے۔ اس ٹیم نے ثابت کر دیا کہ بچوں کے رسائل میں ساتھی نمبر ون ہے۔ کم وسائل اور کسی بڑے اشاعتی ادارے کے تعاون کے بغیر مسلسل ۴۰ سال تک اشاعت بجائے خود ایک کارنامہ ہے اور اس لیے بھی کہ اس کے تمام مدیر طالب علم ہیں اور رہے ہیں۔ ان میں روایتی طور پر کوئی بڑا قلم کار اور معروف ادیب نہیں لیکن ان کی جہد مسلسل بڑے قلم کار پیدا کر رہی ہے۔ یہ ایک بڑا کارنامہ ہے۔

اس خاص نمبر میں ساتھی میں لکھنے والوں کا تعارف بھی کرایا گیا ہے۔ تعارف میں مردوں کا سن پیدائش تو دیا گیا ہے تاہم خواتین کا سن پیدائش دبا لیا گیا کیوں کہ معروف ہے کہ خواتین سے ان کی عمر نہیں پوچھی جاتی۔ ساتھی کے دیگر شعبوں میں کام کرنے والوں کا تعارف دلچسپ انداز میں کرایا گیا ہے۔ کوئی شوخ ہے اس پردہ زنگاری میں۔ ماضی اور حال کے موازنے کے لیے ساتھی کے سابق شماروں کے سرورق بھی شائع کیے گئے ہیں، یہ بتانے کے لیے کہ دیکھو پہلے کیا تھا اور اب کیا ہے۔ لیکن کسی بھی سیڑھی کے ابتدائی پائیدان ہی کسی کو بام پر پہنچاتے ہیں۔ عمارت کتنی ہی بلند اور شاندار ہو اس کی بنیاد رکھنے والوں کو خراج تحسین پیش کرنا واجب ہے اور یہی کام اس خصوصی نمبر میں سلیقے سے کیا گیا ہے۔

۴۰ سالہ نمبر کا سرورق بھی جاذب نظر ہے اور یہ دعویٰ غلط نہیں کہ "ساتھی کے چالیس سال، آپ ہی اپنی مثال"۔ ایسے میں غلطیاں تلاش کرنا اور بلاوجہ علمیت جھاڑنا زیب نہیں دیتا۔ پورا رسالہ ہم نے بڑی دلچسپی سے پڑھا اور لڑکپن کی یاد تازہ کرتے رہے۔ تو آیئے، پہلے اچھی اچھی باتیں کریں۔ کہانیاں تو ساری ہی دلچسپ ہیں لیکن کچھ بہت زیادہ دلچسپ ہیں اور پڑھ کر مزہ آ گیا۔ ان میں سے ایک محمد فیصل شہزاد کی "کہانی ایک سفر کی" ہے۔ اس کہانی ہی سے معلوم ہوا کہ فیصل شہزاد خود بھی مدیر ہیں خواہ "بچوں کا اسلام" کے ہوں۔ انھوں نے زیادتی یہ کی ہے کہ قارئین کو راستے ہی میں ٹرین سے اتار دیا کہ سفر کا مزید احوال اگلے ماہ جائیے۔ ٹھیک ہے، انتظار کر لیتے ہیں۔ یہ ہماری کوتاہی ہے کہ زبان و بیان کی کوئی غلطی پکڑ میں نہیں آئی اور جو آئی وہ ایسی ہے کہ بھی کر رہے ہیں یعنی سوا کے بجائے علاوہ۔ ان کا جملہ ہے "لاہور جانے والی آنٹی کے علاوہ سب ہی کو اترنا تھا"۔ یہاں علاوہ کا مطلب ہے کہ آنٹی کو بھی اترنا تھا۔ یہاں "سوا" کا محل تھا۔ ایک بار پھر وضاحت کر دیں کہ علاوہ کا مطلب مزید یا

Moreover ہے۔ لغوی معنی ہے ''کسی بڑے گٹھڑی پر چھوٹی سی گٹھڑی رکھنا۔ اس کی وضاحت یوں ضروری ہے کہ سکہ بند اہل زبان اور معروف ادیب و صحافی بھی لکھنے اور بولنے میں اس غلطی کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ سوا اور علاوہ کا اصل مفہوم ایک دوسرے کے اُلٹ ہے۔ مثال کے طور پر کہا جائے کہ اسلام کے علاوہ دیگر تمام ازم کفر و شرک کی دعوت دیتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسلام بھی اور دیگر تمام ازم بھی کفر و شرک کی دعوت دیتے ہیں۔ یہاں علاوہ کی جگہ سوا ہونا چاہیے۔ یہ غلطی چوں کہ عام ہوتی جا رہی ہے اس لیے ساتھی کے قارئین کو ہوشیار کرنا ضروری ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ محمد فیصل شہزاد نے اس کے سوا پکڑ کا کوئی موقع ہی نہیں دیا۔

اس کہانی کی لغت میں سبک رفتاری کا مطلب تیز چال دیا ہے۔ عزیزو، سبک تو ہلکے کو کہتے ہیں، اسے ہموار چال کہا جا سکتا ہے۔ اس شمارے میں ایک سفر اور بھی ہے۔ یہ اب تک مجھ جانے والے ادیب حماد ظہیر کا سفر بذریعہ مری ایکسپریس ہے۔ یہ بھی مزے کا ہے اور اس میں شوخیاں بھی جھلک اور چھلک رہی ہیں۔ اس کا انجام بھی سبق آموز ہے۔ ایک آدھ بھول، چوک رہ گئی ہے۔ مثلاً ''جو سمجھ آ رہا ہے''۔ سمجھ کے ساتھ یہ زیادتی بھی کثرت سے ہو رہی ہے اور عموماً لکھا اور کہا جاتا ہے کہ ''سمجھ نہیں آئی'' یا سمجھ آ گئی۔ اس میں ایک ''میں'' شامل کرنا ضروری ہے یعنی جو سمجھ میں آ رہا ہے یا سمجھ میں آ گئی۔ حماد ظہیر نے لکھا ہے ''چاند پر تھوڑا ہی جا رہے ہیں''۔ لیکن یہ لفظ تھوڑی ہے۔ شاید پہلے بھی یہ لکھا تھا کہ ''ہی'' (یہ انگریزی والا نہیں ہے) کو ڈھنگ سے استعمال کیا جائے۔ حماد ظہیر کا جملہ ہے ''پکنک پر ہی لے جا رہے ہیں'' جب کہ ہونا چاہیے تھا ''پکنک ہی پر''، یا یہ کہ دو افراد کا ہی۔ اس کا اصول ایک بار پھر دوہرا دیں شاید بات سمجھ میں آ جائے۔ ''ہی'' کا تعلق جس لفظ سے ہوگا، یہ اسی کے ساتھ آئے گا۔ ان دونوں کے درمیان کوئی اور لفظ نہیں آئے گا۔ ''نظریں کترانا'' کوئی محاورہ ہے نہ روز مرہ۔ (صفحہ: 116) نظر چرائی جاتی ہے، نظر بچائی جاتی ہے۔ 'کافی' کا استعمال بھی بے جا ہو رہا ہے لیکن اتنی عمدہ کہانی کا مزہ کیوں خراب کیا جائے۔ حماد ظہیر نے بڑی خوبی سے اسلام کا سبق بھی یاد کرا دیا۔ یہاں بھی مشکل الفاظ کے معانی میں وقوعہ کا مطلب حادثہ دیا ہے۔ لیکن ہر وقوعہ حادثہ نہیں ہوتا بلکہ یہ واقعہ سے ہے۔

پروفیسر عنایت علی خان جیسے استاد کی نظم میں غالباً کمپوزنگ کی غلطی سے ''پروا'' پرواہ ہو گیا۔ ایسی غلطی استاد معظم تو نہیں کر سکتے۔ ان کی نظم کا ایک مصرع ہے ''ہوگی دنیا میں ہی جگ ہنسائی بہت''۔ دنیا اور ''جگ'' تو ایک ہی بات ہے۔ خاص نمبر میں خاص الخاص ادیبوں روف پاریکھ، کلیم چغتائی، رفیع الدین ہاشمی اور احمد حاطب نے جلوے بکھیرے ہیں۔ ''شعب ابی طالب کی گھاٹی'' عزیزم کلیم چغتائی کا سہو ہے (صفحہ: 22) شعب تو گھاٹی ہی کو کہتے ہیں تاہم لاجواب و ایمان افروز کہانی ہے۔ ایسی کہانیوں کا اعادہ ہوتے رہنا چاہیے۔ عزیزم احمد حاطب صدیقی ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ'' لے کر آئے ہیں۔ وعلیکم السلام۔ اتفاق سے ہم نے ایک جمعہ کی نماز دارالعلوم کورنگی میں پڑھی جہاں محترم مفتی رفیع عثمانی نے سلام اور مصافحہ کے طریقے ہی پر خطاب کیا اور ایک حدیث بھی سنائی جس کا مفہوم ہے کہ ایک وقت ایسا آئے جب لوگ اپنے جاننے والوں ہی کو سلام کریں گے، اجنبیوں کو نہیں۔ آپ کی ایک اور حدیث کا مفہوم ہے کہ سلام کو میری اُمت میں عام کرو۔ احمد حاطب کے احمد نے اسی پر عمل کیا اور ہر ایک کو سلام کیا۔ اس کی برکت سے احمد نے علاقے میں اپنا نیا خاندان تشکیل دے دیا۔ ہمارے معاشرے میں اس پر عمل کی شدید ضرورت ہے کہ اس میں سلامتی ہی سلامتی ہے۔ ماہر اقبالیات محترم رفیع الدین ہاشمی

نے علامہ اقبال پر معلومات سے بھرپور خاص مضمون عنایت کیا ہے۔ اس میں غالباً کمپوزنگ کے سہو سے القا کے ساتھ نازل کا لفظ بھی آ گیا۔ (صفحہ: 42) ہمارا خیال ہے کہ انھوں نے القا کی وضاحت کے لیے ''نازل'' بریکٹ میں دیا ہوگا۔ ساتھی کی لغت میں ''عصبی اضمحلال کا مطلب دماغی پژمردگی دیا ہے لیکن عصب تو اعصاب کا واحد ہے، ممکن ہے کہ اس کا تعلق دماغ سے بھی ہو۔ محمد طارق خان چوں کہ مدیر ہیں اس لیے انھوں نے اختیار استعمال کرتے ہوئے اپنی مزے دار سیر میں خوب رنگ بھرا ہے اور مضمون سے زیادہ رنگین تصاویر بھر دی ہیں لیکن اس سے دلکشی میں اضافہ ضرور ہوا ہے۔

غلام مصطفیٰ سولنگی کی لال چڑیا بھی بچوں کے لیے دلچسپی کا باعث ہوگی۔ قانتہ رابعہ بھی بچوں کے ادب کی معروف لکھاری ہیں۔ ''نام'' کے عنوان سے انھوں نے کسی کا نام نہ بگاڑنے کا درس دیا ہے۔ ہمارے معاشرے میں یہ برائی عام ہے، ایک مشورہ ہے کہ عبداللطیف میں ایک نہیں دو لام آتے ہیں ورنہ یہ عبدالطیف پڑھا جائے گا۔ باقی سب خیریت ہے۔ ضیا ماللہ محسن کو جنگل میں چھوڑ کر آگے بڑھتے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ آئیڈیا تو اچھا ہے لیکن اس پر اور محنت ہونی چاہیے تھی، بلکہ ہم سے نہ پوچھیں کہ کیا محنت ہونی چاہیے تھی۔ ہم کوئی لکھاری تھوڑی ہیں۔ تحریر کے مشکل الفاظ کی تسہیل میں لکھا ہے ''ٹاپ'' جانور کی ٹانگوں سے پیدا ہونے والی آواز۔ کیا کتا، بلی، گائے، بکری اور اونٹ وغیرہ بھی جانور نہیں ہوتے؟ اور کیا ان کے لیے بھی ''ٹاپ'' کا استعمال درست ہوگا؟ ویسے ٹانگوں سے کیسے آواز نکلتی ہے؟ کہیں یہ ''ٹاپوں'' تو نہیں ہے؟ ہمارے خیال میں یہ صرف سُم اور کُھر رکھنے والے جانوروں مثلاً گھوڑے، گدھے ہی کے لیے مخصوص ہے۔ ویسے تو انسان بھی ''ٹاپتا'' رہ جاتا ہے۔

محمد علی ادیب ''سکے کی کہانی'' کے مصنف کے تعارف میں سند مونث سے مذکر ہو گئی۔ جملہ ہے ''آپ کو سند اعزاز بخشا گیا''۔ ممکن ہے یہ بہت بڑی سند ہو لیکن رہے گی مونث ہی۔ غالباً لکھنے والے نے اعزاز کی نسبت سے مذکر کر دیا۔ ریحانہ عمر نے لڑکپن کی یادیں تازہ کی ہیں اور خوب کی ہیں۔ قلفی جمانے والی سردی میں قلفی کھانے کو جی للچانے لگا۔ کچھ پکڑ میں نہیں آیا البتہ مشکل الفاظ کے خانے میں ''چٹکیں دینا'' کا مطلب ''جھونکا دینا'' جانے کس جھونک میں لکھ دیا گیا۔ جھونکا تو ہوا کا ہوتا ہے، جھولے کو ''جھونٹا'' دیا جاتا ہے۔ ویسے جھونٹے خواتین کے بالوں کو بھی کہتے ہیں جن کو نوچا جاتا ہے۔ بھائی لعمان علی، بھبن مذکر ہے، مونث نہیں (صفحہ: 166)

عافیہ رحمت نے بی بالو کے ذریعے پیغام دیا ہے کہ ''بات وہی ہے راز جو اپنے دل تک ہو محدود''۔ یاد آیا کہ سکندر اعظم نے ایک راز کی بات اپنے استاد ارسطو کو بتائی جس نے اس راز کو عام کر دیا۔ سکندر نے استفسار کیا تو اس کا جواب تھا کہ جوان اور طاقتور ہونے کے باوجود جب تو راز کو اپنے تک محدود نہ رکھ سکا تو میں بوڑھا اور کمزور اسے کیسے چھپا لیتا۔ ارسطو نے سکندر کو یہی درس دیا کہ راز اس وقت تک راز ہے جب تک زبان پر نہ آئے۔ اردو کی ایک مثل ہے ''منہ سے نکلی کوٹھوں چڑھی''۔ عافیہ رحمت اگر سکندر کو تنور لکھتیں تو زیادہ اچھا ہوتا۔ عربی کا لفظ ہے اور قرآن کریم میں آیا ہے۔ ''کوفت در آنا'' کا مطلب درد بھر آنا نہیں ہے۔ یہ معنی پڑھ کر کوفت ہوئی تو کیا درد بھر آیا؟ ناگواری اور کوفت ہم معنی ہیں اسے بوریت بھی کہہ سکتے ہیں گو کہ یہ بوریت انگریزی لفظ ''بور'' سے اردو میں آئی ہے۔ ابن آس منجھے ہوئے قلم کار ہیں بچوں کے لیے کئی کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ ان کا آخری حکم بہت عمدہ اور ولولہ انگیز ہے۔ صفدر علی صفدر کی نظم ایک کہانی بڑی پرانی، دلچسپ ہے جسے بچوں کو یاد کر لینا چاہیے۔ لیکن نظم کے ساتھ شاعر کا خاکہ کیوں لگا دیا، وہ ایسے تو نہیں۔ اعظم طارق کوہستانی اپنے

کوہستان سے ایک ایڈونچر "قصہ ایک رات کا" لائے ہیں۔ مزے کا قصہ ہے۔ کہیں کہیں پروف کی غلطیاں رہ گئی ہیں مثلاً یہ جملہ "ایسا نہ ہو ہم سوتے رہ جائیں اور کوئی مصیبت اچانک سر پر نہ آن کھڑی ہو"۔ اس میں دوسرا "نہ" غیر ضروری ہے۔ "ہٹ ٹرک" کے بجائے صحیح لفظ "ہیٹ ٹرک" ہے۔ ایسا کیوں کہتے ہیں یہ کرکٹ کے کسی کھلاڑی سے معلوم کرلیں۔ یہ وہی ہیٹ ہے جو پنجاب کے وزیراعلیٰ شہباز شریف کے سر پر نظر آتا ہے۔ "ی" کے صحیح استعمال پر پہلے بات ہوچکی ہے چناں چہ "سوات ی کے ہونا چاہیے تھا"۔ (صفحہ:160)۔ بے وقوفوں، گدھوں، احمقوں میں نون غنہ نہیں آئے گا۔ جب کسی کو پکارا جاتا ہے یا مخاطب کیا جاتا ہے تو جملے میں نون غنہ نہیں آتا جیسے اے انسانو، دوستو، مسلمانو وغیرہ۔ اسی صفحہ پر ایک جملہ ہے "وہ سب یوں خراماں خراماں جانے لگے جیسے کشمیر فتح کرنے جارہے ہوں"۔ کشمیر فتح کرنا ہو یا کسی اور محاذ پر جانا، خراماں خراماں نہیں جایا جاتا کیوں کہ خراماں خراماں کا مطلب ٹہلتے ہوئے، آرام سے چلنا ہے۔ محاذ پر اس طرح تو نہیں جاتے۔

پیا صدیقی اس بار خاطر داریاں لائی ہیں ان کی زیادہ تعریف نہیں کرنی چاہیے لیکن مجبوراً کرنی پڑتی ہے۔ مگر ان کو اپنے رشتے داروں کا بھرم رکھنا چاہیے تھا۔ ان کے خانہ تعارف میں ہے "جون تا اکتوبر تک" کئی بار سمجھانے کی ناکام کوشش کی ہے کہ جملے میں تا کے ساتھ تک نہیں آتا۔ تک ضروری لکھنا ہے تو تا کی جگہ سے استعمال کرلیں۔ یہ شاید کمپوزنگ کا سہو ہے کہ "بچا کھچا کی جگہ بچا کچھا شائع ہوگیا ہے۔ بچے اسے کچھا (جانگیہ) نہ سمجھ لیں۔ بات کچھ طویل ہوگئی۔ مختصر یہ کہ فاطمہ نور صدیقی کا بھورا بادشاہ بھی دلچسپ ہے جس میں قدر کا اندازہ قیمت سے لگایا گیا ہے۔ گتھم گتھا میں بھی "کچھا" والی غلطی ہے۔ اس میں ت پہلے آئی ہے یعنی گتھم گتھا۔ "ٹانگ پر زور دار جوتا رسید کیا" اس کے بجائے زور دار ٹھوکر ہوتا چاہیے۔ مریم سرفراز کی خزانے کی تلاش بے عیب ہے سوائے اس کے کہ ایک جملے میں الفاظ کی ترتیب گڑبڑ ہوگئی۔ ان کا جملہ ہے "جھیل ایک پانی سے بھرے پیالے کا منظر" اس جملے کو یوں لکھنے میں کیا تکلف تھا کہ "جھیل پانی سے بھرے ایک پیالے کا منظر"۔ ہر چند کہ یہ بے ترتیبی اخبارات میں عام ہے لیکن اس کو درست کرلینا چاہیے۔

ساتھی پر ایک بھرپور اور جامع تبصرہ اس کی تقریب رونمائی میں محترمہ افشاں نوید نے کردیا تھا۔ وہ سطر سطر پڑھ کر آئی تھیں۔ ایک تبصرہ محمود عالم صدیقی نے فرائیڈے اسپیشل میں کیا ہے اور سچی بات تو یہ ہے کہ ساتھیوں کے جو خطوط شائع ہوتے ہیں، اصل تبصرہ وہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ ہم "راہوار تنقید" کو لگام دیتے ہیں۔ چلتے چلتے یہ بتا دیں کہ "سقہ" کے سین پر پیش نہیں زبر ہوتا ہے یعنی سَقہ۔ عربی کا لفظ ہے اور پانی پلانے والے کو کہتے ہیں لیکن سقے کا گدھا (صفحہ 231) پر بڑے اہتمام سے پیش جمایا گیا ہے۔ ممکن ہے کہ حضرت روی کا گدھا ایسا ہی ہوتا ہے۔ نیز کاشف نے بچوں کو اچھا جیب خرچ دیا ہے۔ فوزیہ خلیل کی جاسوسی کہانی بھی خوب ہے۔ دو ایک باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آئیں مثلاً "ساحل سمندر کے کنارے" اور یہ کہ خنجر کے زخم کمر ہی پر کیوں لگے، کیا مقتول مسلسل اوندھا رہتا تھا؟ فوزیہ بی بی سے ایک درخواست ہے کہ وہ اپنی کہانی میں ذرا گنتی تو کریں کہ "کافی" کا لفظ کتنی بار آیا ہے۔ "کافی دور، کافی بڑا، کافی اونچی، کافی دلکش، کافی ہٹ"۔ بی بی، اتنی کافی نقصان کرجائے گی کہ اس میں کیفین ہوتی ہے۔ یوں بھی کافی کا استعمال غلط ہورہا ہے۔ "بھاری لوہے کا خود" (صفحہ:264) اس میں بھی ترتیب غلط ہے۔ لوہے کا بھاری خود ہونا چاہیے۔ اسی طرح "ایک دوا کی دکان" (صفحہ:270) تاہم بنت یاسین نے بڑی خوبی سے سمجھا دیا کہ بڑا آدمی کون ہوتا ہے۔ ایک بار پھر ساتھی کی ٹیم کو شاباش۔

مجھے رستہ بتا دو ماں

حنا ناز جس

سبق اک اور سکھا دو ماں
کہانی پھر سنا دو
اندھیرا آ نہ لے مجھ کو
دیا اک اور جلا دو ماں
ہوا ہے تیز، میں تنہا
حفاظت کی دعا دو ماں
قدم میرے پھسلتے ہیں
انھیں پھر سے جما دو ماں
بنے ہیں رت جگے ساتھی
تھپک کر تم سلا دو ماں
کہاں سے موڑ مڑنا ہے
مجھے رستہ بتا دو ماں
محبت کی مہر میری
جبیں پہ پھر لگا دو ماں

اُف یہ واٹس ایپ گروپ

سیدہ انیہا مریم

اسکول میں سب سے بہترین جماعت "جماعت ششم" کو سمجھا جاتا تھا۔ پچھلے تین برسوں سے جماعت ششم کی استانی مس لبنیٰ کو بہترین استانی ہونے کا اعزاز حاصل تھا یعنی جماعت سوم، چہارم اور پنجم میں بھی موجودہ جماعت ششم کی استانی مس لبنیٰ ہی تھیں۔ اس جماعت کی طالبات ہونہار ہونے کے ساتھ ساتھ تمیزدار بھی تھیں۔ ان کی صحبت سے پتا چلتا تھا کہ وہ باادب گھرانے سے تعلق رکھتی ہیں۔ والدین بھی اپنی اولاد کی کارکردگی سے کافی خوش تھے۔

☆.....☆

آج نیا سال شروع ہو رہا تھا۔ تمام بچے اپنی پڑھائی کا ایک سال بخوبی گزار چکے تھے اور اچھے نمبروں سے پاس ہو گئے تھے۔ جماعت ششم کے بچے اب جماعت ہفتم میں اور جماعت ہفتم کی طالبات جماعت ہشتم میں آگئیں تھیں۔ نئی سہیلیاں، نئی استانیاں...... نئے داخل ہونے والے بچوں کو

سب کچھ نیا نیا دکھائی دے رہا تھا۔ شفا بھی بے حد حیران تھی کیوں کہ اس نے جماعت ششم تک اپنے پرانے اسکول میں بڑی آسان پڑھائی پڑھی تھی اور اکلوتی اولاد ہونے کی وجہ سے گھر میں اس کی ہر خواہش پوری ہوتی تھی۔ اصل میں وہ اپنے پورے خاندان کی بھی اکلوتی تھی۔ دادا، دادی، پھوپھو، چاچو اور مما، پاپا سب کی لاڈلی شفا! "اب پتا نہیں کیا ہوگا؟ ان سے ملنے کا وقت ملے گا بھی یا نہیں؟ اتنے بڑے اسکول میں اتنی ساری کلاسیں، ڈھیر ساری جماعتیں اور اتنی بڑی مقدار میں استانیاں...... پتا نہیں یہ لوگ کتنی پڑھائی کروائیں گے؟" شفا کے دماغ میں مختلف سوالات جنم لے رہے تھے کہ ایک آواز کلاس میں گونجی: "السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!" شاید یہ استانی کی آواز تھی شاید نہیں یقیناً یہ استانی کی آواز ہی تھی کیوں کہ تمام بچیوں نے سلام کے جواب میں ایک ساتھ "وعلیکم السلام" کہا تھا۔

شفا کے لیے یہ ایک حیرت انگیز بات تھی کیوں کہ اس کے پرانے اسکول میں جب بھی استاد جماعت میں داخل ہوتے تو گڈ مارننگ کہتے تھے۔ خیر...... بچوں کو یہ آواز پہچاننے میں زیادہ دیر نہ لگی کیوں کہ آواز مس لبنیٰ کی نہیں بلکہ مس مریم کی تھی۔ مس مریم نے شفا کا تعارف کرایا۔ جماعت میں اس کے علاوہ دو اور نئی بچیاں موجود تھیں۔ ایک حمنہ اور دوسری عرفہ...... دونوں ہی ذہین اور فرماں بردار تھیں۔

☆.....☆

آہستہ آہستہ دن گزرنے لگے اس اسکول میں نئی آنے والی تمام طالبات اب اپنی استانیوں اور ہم جماعت سہیلیوں میں گھل مل گئی تھیں۔ شفا بھی اب اس اسکول کی عادی ہو گئی تھی۔ وہ پڑھنے میں کوئی خاص اچھی نہیں تھی۔ اس لیے اس کو جماعت کی سب سے بہترین طالبہ حنا کے ساتھ بٹھایا گیا۔ پھر مس مریم کو حنا اور جماعت کی دوسری طالبات میں کچھ تبدیلی محسوس ہوئی لیکن انھوں نے اس پر زیادہ توجہ نہ دی۔

ایک ماہ بعد بچوں کے ماہانہ جانچ ہوئے جس میں بچوں کا نتیجہ پچھلے سال کی نسبت خراب آیا۔ اس کے علاوہ پرنسپل کے پاس جماعت ہفتم کی شکایتیں بھی آنے لگیں۔ ان کی آپس کی ناچاقیوں اور لڑائی جھگڑوں کے بارے میں اب پرنسپل کو علم ہو گیا تھا اور ان کے خیال کے مطابق جماعت ہفتم کو پھر سے مس لبنیٰ کی ضرورت تھی۔ پھر انھوں نے مس لبنیٰ کو اس جماعت میں واپس ٹرانسفر کر دیا اور یہ مسئلہ حل کرنے کی ذمہ داری ان کے سپرد کر دی۔

☆.....☆

مس لبنیٰ نے جماعت میں آتے ہی بچوں سے ان سب چیزوں کا سبب جاننے کی کوشش کی، پھر انھوں نے والدین سے ملاقات کی جس کے نتیجے میں یہ پتا چلا کہ ایک تو جب سے شفا اس اسکول میں آئی ہے، تب سے یہ تبدیلی آئی تھی اور دوسرا یہ کہ سب طالبات اسکول ٹائم میں ہر وقت موبائل لیے بیٹھی رہتی تھیں اور یہ بھی کہ شفا نے نیٹ پر واٹس ایپ کا گروپ بنا رکھا تھا۔ جس میں جماعت کی ساری طالبات شامل تھیں اور ہر وقت چاہے پڑھائی کا وقت ہی کیوں نہ ہو وہ موبائل دیکھتی رہتی تھیں اور ساتھ میں موبائل پر گیم کھیلتی رہتی تھیں۔

☆.....☆

مس لبنیٰ نے پہلا قدم یہ اٹھایا کہ کلاس کے بچوں کو گھر کے کام کے طور پر ویب سائٹس دیکھنے کا کام دینا شروع کر دیا۔ سائنس کے کام میں سائنٹفک ویب سائٹس، اردو اور انگریزی کے کام میں لغت درست کرنے کی ویب سائٹس...... اس طرح بچوں کو جدید ٹیکنالوجی کا صحیح استعمال کرنا آ گیا اور وہ نہ صرف اپنے اسکول میں بلکہ بین الاسکول میں بھی مختلف مقابلوں میں حصہ لینے لگے اور بہترین نتائج لانے لگے، یہ سب کچھ صرف اس لیے ہوا کیوں کہ انھیں اپنے اسباق زیادہ بہتر طریقے سے سمجھ آنے لگے جب انھوں نے یہ سب کچھ کمپیوٹر وغیرہ پر دیکھنا شروع کیا تو اس سے ان کی دلچسپی بھی بڑھ گئی اور علم میں اضافہ ہونے لگا۔

شفا جو پہلے ایک کمزور طالبہ تھی اب جماعت میں سیرت اور قابلیت دونوں ہی میں سب سے آگے ہوا کرتی تھی اور مس لبنیٰ کی بھی ترقی کر دی گئی اور انھیں سال کی بہترین استانی ہونے کا اعزاز دیا گیا۔ مس لبنیٰ کو اپنے اعزاز سے زیادہ اس بات کی خوشی تھی کہ ان کی محنت رنگ لے آئی اور ایک بار پھر جماعت ہفتم کو اسکول کی سب سے بہترین جماعت ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔

☆.....☆

وہ ایک رات

محمد حسن طارق

شہر "راج نگر" میں خوف کا راج تھا۔ شہر کے لوگوں نے شام ہوتے ہی اپنی دکانیں بند کیں اور اپنے گھروں کو چلے گئے۔ پورا شہر اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ ہر شخص خوفزدہ تھا کہ کالا

ڈاکو کہیں اس کے ہاں واردات نہ کرے۔ پولیس بھی اس کو پکڑنے میں ناکام رہی تھی۔ وہ واقعی چھلاوہ تھا کئی بار پولیس نے اسے گرفتار کیا مگر ہر بار وہ چکنی مچھلی کی طرح ہاتھ سے نکل جاتا۔ حکومت کی طرف سے اسے پکڑنے پر دو لاکھ روپے انعام کا اعلان کیا گیا تھا۔

☆......☆

فرحان، راج نگر کی ایک فیکٹری میں بطور کلرک کام کرتا تھا۔ آج بھی معمول کے مطابق شام پانچ بجے چھٹی ہوگئی۔ فرحان نے بھی گھر کی راہ لی۔ گھر پہنچا تو اس کی بچی نے بتایا کہ "میں نے سنا تھا کہ دو آدمی کہہ رہے تھے کہ آج اسی علاقے میں کالا ڈاکو واردات کرے گا کیوں کہ وہ آج کل یہیں موجود ہے۔ فرحان نے حفاظتی تدابیر کیں۔ کھڑکیاں بند کیں اور دروازہ بند کرلیا۔ مگر...... کالے ڈاکو کے سامنے ان چیزوں کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔

☆......☆

شہر کے تمام گھر والوں کی طرح فرحان کا گھرانہ بھی جلد کھانا کھا کر سونے کا عادی ہوگیا تھا۔ فرحان بھی بستر پر لیٹ گیا اور سوچوں میں کھو گیا۔ اچانک اس کی چھٹی حس نے خبردار کیا کہ کچھ ہونے والا ہے۔ فرحان بھی چونک گیا جب اسے اپنی چھت پر دھپ کی آواز آئی جیسے کوئی کودا ہو اس کے قدموں تلے زمین نکل گئی۔ اسی وقت اسے ایک آواز نے اپنی جانب متوجہ کرلیا۔ "پھر میں نے اسے قتل کردیا اور چوری کے لیے آگے بڑھا۔" فرحان گھبرا گیا کہ چور مسلح بھی ہیں وہ فوراً ٹیلی فون سیٹ کی طرف دوڑا مگر ایک سنسناتی ہوئی آواز نے اس کے قدم جکڑ لیے، "میں چوری پر کوئی سمجھوتا نہیں کرسکتا۔" فرحان میں اس سے زیادہ کی تاب نہ رہی اور وہ دل پر ہاتھ رکھ کر گرتا چلا گیا۔

☆......☆

اس کی آنکھ کھلی تو وہ ایک ہسپتال میں تھا۔ ہوش میں آتے ہی اس کے منھ سے نکلا۔ "کک، کالا، کالا ڈا...... ڈا...... ڈاکو۔" اس کے بیوی بچوں نے پوچھا۔ "کیا ہوا؟" فرحان نے کہا تمہارے ہاں کالا ڈاکو واردات کرچکا ہے۔"

"نہیں گھر کی کوئی چیز بھی چوری نہیں ہوئی۔" اسے حیران کن جواب ملا۔

☆......☆

بعد میں معلوم ہوا کہ چھت پر کوئی اور نہیں بلکہ بلی کودی تھی اور فرحان کو جو آوازیں سنائی دی تھیں دراصل گھر کے باہر ایک لڑکا کسی کو اپنا بھیانک خواب سنا رہا تھا۔

انوکھا شوق

عروبہ امتیاز خان

سچ ہے کہ شوق کا کوئی مول نہیں۔ شوق انسان سے نہ جانے کیا کیا نہیں کروا لیتا۔ اس دنیا میں انسان اپنی دلی تسکین اور وقت کو کارآمد بنانے کے لیے کوئی نہ کوئی مشغلہ اختیار کرتا ہے اور اس کے لیے تگ و دو کرتا ہے لیکن کبھی کبھار یہ شوق انسان کو دیوانگی کی حدود تک پہنچا دیتا ہے۔

ایسے میں ہماری دوست کا کیا کہنا! ان کا شوق تو سب سے ہی انوکھا اور دیوانگی کی حدود کو چھونے والا ہے۔ ان کا شوق ہے 'جانور'۔ ان کا شوق جانوروں سے صرف محبت ہی نہیں کرنا بلکہ جانوروں سے عشق کرنا ہے۔ جانوروں سے لگاؤ کا تو ان کا یہ حال ہے کہ وہ جانوروں کے لیے کچھ بھی کرسکتی ہیں چاہے وہ روڈ پر گزرنے والا کتا ہو یا کوئی پالتو بلی۔ ان کے بقول وہ جانوروں کے حقوق کے تحفظ کے لیے اصول مرتب کرنا چاہتی ہیں تاکہ وہ آرام کی زندگی بسر کرسکیں۔ پسندیدگی کا تو یہاں تک عالم ہے کہ ان کی دیرینہ خواہش ہے کہ وہ خود بھی جانور ہوتیں۔ بقرعید سے تین مہینے پہلے سے جانوروں کے تصور سے ان کی خوشی دوبالا ہوجاتی اور بقرعید کے تین مہینے بعد تک ان پر غموں کے پہاڑ ٹوٹتے رہتے ہیں۔ کچھ دنوں پہلے موصوفہ نے بلی کا ایکسیڈنٹ دیکھ لیا تو شدید بیمار ہوگئیں اور دو دن تک اسکول نہیں آسکیں۔ ابھی پچھلے دنوں ٹیچر نے ایک مضمون لکھنے کو کہا تو انھوں نے اپنے مرحوم بکرے کی یاد میں ایک دردناک مضمون لکھ ڈالا جس کے چند سطور یہ ہیں:

"پیارے بکرے! مجھے یاد مت کرنا، جانتی ہوں تم مجھے بہت یاد کررہے ہوگے مگر یاد رکھنا ہمارے ملاقات ایک روز جنت میں ہوگی۔ پھر ہم خوب کھیلیں گے اور مزے کریں گے۔"

اس پر ایک اور سہیلی بول اٹھیں کہ غزل لکھ دو تا، سارے جذبات ابھر کر سامنے آجائیں گے۔

"یاد میں تیری جہاں کو بھولتا جاتا ہوں میں
بھولنے والے کبھی تجھ کو بھی یاد آتا ہوں میں"

جانوروں کے ساتھ رہتے رہتے وہ انسانوں کا رہن سہن تو ٹھیک سے نہ جان سکیں لیکن گائے کے بارے میں الف سے ی تک سبق یاد کرکے آگئیں۔ ان کی معلومات سن کر ہم بے ساختہ کہہ اٹھے کہ زولوجی کی الف، ب سے ناآشنا یہ معلومات شاید جانورلوجی کے مضمون میں کام آئیں گی۔ آپ یقیناً سوچ رہے ہوں گے کہ جانورلوجی کیا ہے۔ یہ

سائنس کی وہ نئی شاخ ہے جو ان کی اپنی تخلیق کردہ ہے اور اس مقصد کے لیے انھوں نے اپنے گھر میں ایک چھوٹا سا چڑیا گھر بنا رکھا ہے جہاں وہ اپنی ناکام تحقیقات میں مصروف عمل رہتی ہیں۔

ہر روز جب بھی آتی ہیں ایک نئی آفت اٹھا لاتی ہیں۔ ان کے مطابق سارے جانور کیوٹ یعنی انگریزی کے لفظ Cute کی بگڑی ہوئی شکل ہیں۔ راستے میں جو بھی جانور گزر رہا ہو ان کا بس نہیں چلتا کہ اچھل کر وہاں تک پہنچ جائیں اور اس بے چارے کی پیٹ پر سوار ہوجائیں۔ پاکستان کے قیام کا مقصد ایک ایسی فلاحی مملکت کی تشکیل تھی جہاں مسلمان اسلام کے اصولوں کے تحت زندگی گزار سکیں لیکن یہ جانوروں کی محبت میں اس قدر مست ہیں کہ وہ ایک ایسی جانوروں کی فلاحی مملکت تشکیل دینا چاہتی ہیں جہاں وہ آرام کی زندگی بسر کرسکیں۔ اگر وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکیں تو وہ کچھ نہ کچھ آئین میں تبدیلی کریں گی جس میں جانوروں کے حقوق و تحفظ کے لیے بات کی گئی ہو۔

ابھی گزشتہ عید پر صاحبہ نے خود منڈی جا کر اپنی پسند سے

گائے خریدی۔ خیر ان کو بس چلتا تو وہ پوری منڈی ہی خرید لیتیں لیکن ان کی جیب نے اجازت نہیں دی اور صبر کیا تھا۔ انھوں نے اپنی گائے کو وی آئی پی پروٹوکول سے نوازا اور اس کی دل و جان سے خدمت کی۔ اس گائے نے بھی ہماری دوست کی الفت جوئی کے لیے ایک پیارا سا بچھڑا دیا۔ لیکن ہفتے بعد وہ بے چارا بیمار پڑ گیا۔ ان کے مطابق ڈاکٹر اناڑی تھا اور اس نے غلط انجکشن دے ڈالا اور وہ اس کی تاب نہ لاتے ہوئے داغِ مفارقت دے گیا۔ بس اب صبر کیا تھا۔ آہوں، سسکیوں کی روش چل پڑی اور آنسوؤں کے سمندر جاری ہو گئے۔ دوسری دن پرچہ تھا اور وہ روتی رہیں اور گائے کے بچے کو ورد کرتی رہیں۔ ان کے چھوٹے بھائی بھی ان کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے جانوروں کے دیوانے نکلے۔ دوسرے دن حساب کا پرچہ تھا۔ گائے کی یاد میں وہ اس قدر پاگل ہو گئیں کہ ہندسوں کی جگہ گائے کا بچہ لکھنا شروع کر دیا۔

اب تو باتیں ہو رہی تھیں گائے اور بکرے کی۔ اب ذرا ان کی مرحومہ توتی کا حال بھی سن لیجیے۔ توتی کا نام تھا "تتلی"۔ ہے نا عجیب نام۔ اس بے چاری توتی کو ایک دو لفظ سکھانے کی خاطر واسطے جتن کیے گئے کہ اس کے سامنے ٹیپ ریکارڈر لگا کر رکھ دیا گیا لیکن اس توتی نے زیادہ دیر تک ساتھ نہ دیا اور ایک روز ایک ظالم و بدبخت چوہے نے اس توتی کے پاؤں پر کاٹ لیا۔ پوری رات ان صاحبہ نے اپنی توتی کو اپنے خود ساختہ آئی سی یو میں ایڈمٹ کر کے رکھا اس کی تیمارداری میں ذرا سی اونچ نیچ نہ کی لیکن وہ دوسرے روز اس دنیا سے کوچ کر گئیں لیکن ان کی ایک بات خاص رہی کہ اس مرحومہ توتی نے بولنا تو نہ سیکھا لیکن ڈانس ضرور کرنا سیکھ لیا۔

جی ساتھیو! پڑھا آپ نے ان صاحبہ کا حال، شوق انسان سے کیا کچھ نہیں کرواتا اور کہتے ہیں کہ شوق کا کوئی مول نہیں ہے۔ ٹھیک ہے جانوروں سے ہمدردی کرنی چاہیے اگر ہم ان کو ناحق ستائیں گے تو دنیا اور آخرت میں سزا ملے گی اور ہر چیز اعتدال میں ہونی چاہیے۔ اس کائنات کا نظام بھی عدل پر قائم رہے لہٰذا ہمیں بھی ہر معاملے میں عدل کی راہ اختیار کرنی چاہیے۔ کہیے! آپ کا کیا خیال ہے یا آپ بھی ان صاحبہ کی طرح......؟

☆......☆

میرا بہترین دوست

افشاں شاہد

"السلام علیکم
صبح بخیر"

"وعلیکم السلام شزا! ایک منٹ ذرا مجھے پہلے میں دیکھ کر آؤں کہ آج سورج کس سمت سے نکلا ہے مجھے تو لگتا ہے آج سورج مغرب سے نمودار ہوا ہے جبھی تو ہماری بیٹی اتوار والے دن اتنی صبح صبح جاگ گئی ہے۔"

شزا اپنے بابا کی باتیں سن کر ہنسنے لگی۔

شزا یوں تو روز صبح اسکول جانے کے لیے جلدی اٹھ جاتی تھی لیکن اتوار کو بہت دیر تک سوتی رہتی تھی۔ اس کے امی بابا اسے اٹھانے کی ہر ممکن کوشش کرتے لیکن ان کی ساری کوششیں

ناکام ہو جاتیں اور آخر کار تھک ہار کر اسے سونے کے لیے چھوڑ دیتے۔

"بابا آج میرے دوست کی سالگرہ ہے۔ مجھے اس کے لیے کیک بنانا ہے اور کیک کے تمام لوازمات لینے آپ کے ساتھ مارکیٹ جانا ہے۔"

شزا نے اپنے جلدی اٹھنے کی وجہ بتائی اور ناشتہ کرنے لگی۔

"اچھا تو آپ یوں کہیے کہ آپ اپنے مطلب کی وجہ سے جلدی اٹھی ہیں۔ ہمارے ساتھ ناشتہ کرنے کے لیے نہیں۔ ویسے ایسا کون سا خاص دوست ہے جس کی وجہ سے میری بیٹی نے اپنی نیند کو قربان کر دیا۔

بابا نے تجسس سے پوچھا۔

"بابا بہت ہی خاص دوست ہے اس سے میں نے بہت اچھی اچھی باتیں سیکھیں ہنسنا سیکھا، بڑوں کا احترام کرنا سیکھا مشکلات کا کیسے ہمت و بہادری سے مقابلہ کیا جاتا ہے سب اسی نے سکھایا۔"

شزا نے ایک سانس میں اپنے دوست کی اتنی ساری خوبیاں بیان کر دیں۔ "پھر تو ہم آپ کے دوست سے ضرور ملنا چاہیں گے۔"

"بابا شام کو ملوا دوں گی ابھی تو آپ میرے ساتھ مارکیٹ چلیں"

مارکیٹ سے ساری چیزیں لانے کے بعد

شزا کیک بنانے میں مصروف ہو گئی وہ پہلی بار کیک بنا رہی تھی اس لیے اس کی امی بھی اس کی مدد کر رہی تھیں۔

"ارے ارے یہ کیا کر رہی ہو"

"امی کیسی ہوئی چٹنی ملا رہی ہوں؟"

شزا نے معصومیت سے کہا۔ اس کی امی مسکرانے لگیں۔

"یہ تو نمک ہے چینی تو دوسرے کمپارٹمنٹ میں پڑی ہوئی ہے۔"

"شکریہ امی ورنہ میرا سارا کیک نمکین ہو جاتا۔"

شزا بڑی احتیاط سے کیک تیار کر رہی تھی لیکن پھر بھی کچن کے ساتھ ساتھ اس کی بھی حالت خراب ہو رہی تھی میدہ چھانتے وقت اس کے ہاتھ سے میدے کی تھیلی گر گئی، پھر اس کو سمیٹتے ہوئے وہ خود میدہ میدہ ہو گئی اس کے بعد کپڑوں پر کیک کا آمیزہ لگ گیا لیکن وہ ان چیزوں کی پروا کیے بغیر دلجمعی سے کیک تیار کر رہی تھی۔

شزا کو پسینے میں شرابور دیکھا تو اس کی امی کہنے لگیں

شزا اتنی محنت کرنے کی کیا ضرورت تھی اس سے اچھا بیکری سے کیک منگوا لیتی۔

"امی منگوا تو لیتی لیکن جب میرے دوست نے مجھے اتنا کچھ دیا ہے تو میں اس کے لیے ایک کیک نہیں بنا سکتی۔"

کافی گھنٹوں کی مشقت کے بعد ایک بہت بڑھیا کیک تیار ہو گیا۔

شزا نے اپنے امی بابا اور دوستوں کو بلایا اور کیک پر موم۔ بتیاں جلانے لگی جب اس کے ۴۰ ہندسے کی موم بتیاں روشن کیں تو اس کے امی بابا حیران رہ گئے

"شزا تم تیرہ سال کی ہو اور تمہارا دوست چالیس سال کا ہے۔"

شزا کے بابا نے حیرانگی سے پوچھا۔

جی بابا آج میرا دوست "ساتھی" چالیس سال کا ہو گیا ہے آج میرے سب سے بہترین دوست "ساتھی" کی سالگرہ ہے۔"

پھر سب نے مل کر کیک کاٹا اور ساتھی کی ترقی کے لیے دعائیں کیں۔

☆......☆

پارس پتھر

معتصم الٰہی جان

ایک آدمی کافی عرصہ تک ایک درویش کی خدمت میں رہا۔ ایک دفعہ درویش نے اس سے پوچھا کہ آپ کی کوئی خواہش ہو تو بتاؤ۔ اس آدمی نے کہا کہ:

''سرکار مجھے پارس پتھر عنایت فرمادیں۔''
وہ درویش اسے ایک سمندر کے کنارے لے گیا۔ جہاں کنکریوں کے بہت بڑے ڈھیر پڑے ہوئے تھے۔ اس درویش نے اسے لوہے کی ایک انگوٹھی پہنادی اور کہا:
''اس کنکریوں کے بڑے ڈھیر کے پاس بیٹھ جاؤ، اور ایک ایک کنکری کو اپنی انگوٹھی سے لگا کے چیک کرو۔ جس کنکر کے لگنے سے تمہاری انگوٹھی سونا بن جائے وہی پارس پتھر ہوگا۔ کیوں کہ پارس پتھر کا خاصہ ہے کہ لوہے کے ساتھ لگنے سے وہ لوہے کو سونا بنا دیتا ہے۔''
پس پھر کیا ہوا کہ وہ آدمی ان کنکروں کے ڈھیر کے پاس بیٹھ گیا۔ شروع شروع میں اس کی عادت ایسی تھی کہ ایک کنکر اٹھاتا۔ اسے انگوٹھی کے ساتھ لگاتا، دیکھتا کہ انگوٹھی سونا بنی یا نہیں پھر اس کنکر کو سمندر میں پھینک دیتا اور دوسرا کنکر اٹھا لیتا۔ آہستہ آہستہ وقت گزرتا گیا اور یہ عمل اس کی عادت میں شامل ہوگیا وہ جلدی جلدی کنکر انگوٹھی سے لگاتا اور سمندر میں پھینک دیتا۔ کنکر اٹھاتا، انگوٹھی سے لگاتا اور سمندر میں پھینکتا رہا اور انگوٹھی کی طرف سے توجہ ہٹالی۔ جب سارے کنکر سمندر میں پھینک چکا تو اپنی انگوٹھی کو دیکھا تو وہ سونے کی بن چکی تھی۔۔۔۔ بہت ہی پشیمان ہوا کہ میں نے بے خیالی میں پارس پتھر اپنے ہاتھوں سے سمندر میں پھینک دیا۔
اکثر اوقات ہم بھی ایسا ہی کرتے ہیں کہ نماز کو اپنی عادت تو بنا لیتے ہیں۔ لیکن بے خیالی میں پارس پتھر کے خالق کو اپنے قریب ہوتے ہوئے بھی فراموش کر دیتے ہیں۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ: الصلوۃ معراج المومنین
ترجمہ: ''نماز مومن کی معراج ہے۔''
یعنی اللہ پاک سے ملاقات ہے۔ ایک دوسرے موقع پہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا کہ:
''صلوا کما رایتمونی اصلی''
ترجمہ: ''نماز ایسے پڑھو جیسے مجھے نماز پڑھتا ہوا دیکھ رہے ہو۔''

اللہ پاک فرماتا ہے کہ ''میرے اور نمازی کے درمیان کوئی حجاب نہیں رہتا۔'' کتنی خاص عبادت ہے اللہ سوہنا بغیر حجاب کے پاس ہوتا ہے...... اور ہمارا خیال کہاں کہاں بھٹکتا رہتا ہے۔ حقیقت ہے نماز شروع کرتے ہی ہم خیالی اڑان لیتے ہیں اور دنیا جہان کے سیر سپاٹے کر کے نماز ختم ہونے پہ ہی واپس لوٹتے ہیں۔ اور اس طرح ہم روز اپنے ہاتھوں سے پارس پتھر سمندر میں پھینکتے جاتے ہیں۔ احساس قربت تو سوچوں کو یکسوئی عطا کرتا ہے۔ قرآن پاک میں اللہ پاک کا اٹل فیصلہ ہے کہ: ''ان الصلوۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر''
ترجمہ: ''بے شک نماز بے حیائی اور برائی سے بچاتی ہے۔''
اب ہم دیکھیں تو نماز بھی جاری ہے اور بے حیائی بھی۔ نمازی بے حیائی، برائی، جھوٹ، دھوکہ تک کرتے نظر آئیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے نماز کو اپنی عادت تو بنا لیا لیکن شوق ختم کر لیا۔ اسی لیے سیانے کہتے ہیں کہ:
''عبادت کو اپنی عادت نہ بناؤ بلکہ اپنی عادتوں کو عبادت بنالو۔''
خیال یار کے بغیر عبادت شوق سے محروم کر دیتی ہے۔ نماز مومن کی معراج ہے اور اس معراج کو سرسری طور پہ نہ لیں۔۔۔ پس اس معراج میں انگوٹھی (خیال یار) کی طرف دھیان رہے گا، پارس پتھر حاصل ہو جائے گا اور پھر وہ پارس پتھر آپ کی زندگی کا ہر لمحہ خیال یار میں مستغرق کر دے گا۔

☆......☆

مہد یامین کو اپنی محفل میں خوش آمدید کہتے ہیں
ساتھی کا چالیس سالہ نمبر ملا، خوب صورت رنگوں سے مزین سرورق اچھا لگا۔ 'دل پہ دستک' بھی اچھی تھی۔ 'میرا مشغلہ' اور 'مزے دار سیر' بہت مزے کی تھی۔ محمد فیصل شہزاد کے سفرنامے کا پہلا ٹکڑا بہت مزے کا تھا، دوسرے ٹکڑے کا انتظار رہے گا۔ جنگل میں تارے، بھورا پاؤچ، جیمپین، قاتل کون، سنگ تراش، بی مانو، لال چڑیا، قصہ ایک رات کا یہ سب کہانیاں بہت ہی زبردست تھیں۔ نظمیں بھی ساری اچھی تھیں، خودی نظم پسند آئی۔ مستقل سلسلوں میں اُردو زبان ہماری اچھا لگا۔ لطیفے، مطارے، کہانیاں، مضمون اور نظمیں ہر چیز ایک سے بڑھ کر ایک تھی۔ غرض پورا شمارہ بہت بہت پسند آیا۔ آپ کو اور ساتھی کی ٹیم کو اتنا زبردست رسالہ نکالنے پر بہت بہت مبارک ہو۔
حماد شاہ بن محمد یوسف چالاکی کا مظاہرہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں
سب سے پہلے چالیس سالہ نمبر نکالنے پر مبارکباد قبول کیجیے۔ سب سے پہلے سالنامے کی سوغاتیں دیکھیں اور اپنے پسندیدہ مصنفین کی سوغاتوں کو اُچک لیا۔ نظموں میں اول نمبر کی نظم ''عبدالرحمٰن مومن'' کی جنت کی تصویر گی، وہ ایک زبردست شاعر جبکہ دوم انعام ہم نے دو نظموں کو دیا جن میں سے ایک 'ڈاکٹر کو دکھانا پڑے گا' ہے اور دوسری 'ایک کہانی بڑی پرانی' ہے۔ سوم انعام ہم نے ایک سبق آموز نظم 'چوک کی جمیاں' کو دیا جبکہ باقی نظموں کو بھی میڈل وغیرہ پہنائے گئے۔ اب آتے ہیں کہانیوں کی طرف کہ سمجھ ہی نہیں آرہا کس کو انعام دیں اور کس کو چھوڑ دیں۔ یہ انعامات مدیر صاحب سے وصول کیے جائیں۔ (بہت اچھے!) اول نمبر پر بچوں کے لحاظ سے 'السلام علیکم' زیادہ اچھی تھی جبکہ دوم نمبر پر 'نئی جیکٹ' اور سوم پر 'جیب خرچ' تھی جبکہ بڑے بچوں کے لیے اول 'ناموں کی تاثیر' تھی، اُمید ہے کہ اس پر اکثر بچے عمل پیرا ہوں گے جبکہ دوم پر 'بھورا پاؤچ' اور سوم پر 'جیمپین' تھی۔ تینوں ہی نہایت پر اثر تھیں۔ اس کے ساتھ خوش آئند بات یہ بھی تھی کہ

مبشر علی زیادہ نے ۱۰۰ سے زیادہ الفاظ لکھے۔ جوانوں کے لیے اول نمبر پر 'نیکی کا سفر' تھی اور دوم پر 'خاطرداریاں' جبکہ سوم پر 'آخری حکم' تھی۔ احمد حاطب صدیقی نے تو کمال کر دیا اب تو وہ میرے پسندیدہ شاعر کے ساتھ پسندیدہ مصنف بھی بن گئے، بہت اچھی کہانی لکھی۔ 'قاتل کون' نے اشتیاق صاحب کے ناول کی تھوڑی سی جگہ پر کر دی۔ فیصل شہزاد کا سفرنامہ دیکھ کر دل سے بے اختیار آپ کے لیے دعائیں نکلیں۔ ساتھی کے سالنامہ کی جس چیز نے زیادہ متاثر کیا وہ ہے ہر کہانی کے ساتھ رائٹرز کے مختصر حالات کیوں کہ میری عادت ہے جس رائٹر کے بارے میں معلومات ہوں اس کی کہانی زیادہ شوق سے پڑھتا ہوں۔ اطہر انکل اگر نہ آتے تو سالنامہ پھیکا لگتا۔ ایک بات یہ ہے کہ اگر ہم آپ کی جگہ مدیر ہوتے تو 'ٹھنڈی الماری' گرمی کے موسم میں دیتے کیوں کہ اس مہینے تو ہم سب خود بھی ٹھنڈی الماریاں بن چکے ہیں، رؤف پاریکھ کے مشغلے اچھے تھے اور ساتھی کو جواب یہ ہے کہ ہمارا مشغلہ مہینے کے شروع میں نئے ساتھی اور باقی دنوں میں باقی ساتھی پڑھنے کا ہے۔ اس کے علاوہ بہن بھائیوں کو تنگ کرنے میں بھی ہمارا کوئی ثانی نہیں ہے۔ ہماری بڑی بہن کو پورے ساتھی میں رفیع الدین ہاشمی کی 'اقبال شعر کیسے کہتے تھے' اچھی لگی کیوں کہ اقبال اس کے پسندیدہ شاعر ہیں، وہ ہر مہینے سب سے پہلے 'دل پہ دستک' بھی پڑھتی ہے۔ سب سے زیادہ خوشی اس بات سے ہوئی کہ ہم بہن بھائیوں نے بھی اپنے اپنے خط کے ذریعے ساتھی پر ڈیرہ جمایا تھا، گویا سالنامہ ہمارے لیے بہت سی خوشیوں کا باعث بنا۔ 'دنیا کے دلچسپ و عجیب کارنامے' نے تو محو حیرت کر دیا۔ سالنامے میں تمام مدیروں کے بارے میں جان کر اچھا لگا۔

عمر بن عبدالرشید اپنا دربار سجانے سے قبل رقم طراز ہیں

چالیس سالہ نمبر جیسے ہی ہاتھ میں آیا تو بے انتہا خوش ہوئی اور ساتھ میں پزل کا تحفہ بھی اچھا لگا۔ سرورق عمدہ لگا اگر پیلے رنگ کی جگہ لال رنگ ہوتا تو زیادہ اچھا لگتا۔ کہانی 'ہمارے مشغلے' نے کھلکھلانے پر مجبور کر دیا۔ 'فاتح قادسیہ' خوب غور سے پڑھی۔ 'السلام علیکم' ایک مزیدار کہانی تھی۔ ویسے مدیر صاحب آپ کو بھی اس کہانی پر عمل کرنا چاہیے کیوں کہ آپ نے پھر اس بار اداریے میں صرف السلام علیکم لکھا ہے۔ 'اقبال شعر کیسے کہتے تھے' بہت اعلا۔ 'مزے دار سیر' ہمیں بھی مزیدار سیر کرا گئی۔ 'حکایت سعدی و رومی' دونوں اچھی لگیں۔ 'ذرا کھلکھلایئے' چند لطائف تھے جو کھلکھلانے کے قابل تھے۔ 'لال چڑیا' دلچسپ کہانی تھی۔ 'نام' ایک خوب صورت کہانی تھی۔ 'چلبلی لکیریں' لطائف سے زیادہ اچھے لگے۔ 'جنگل میں تارے' ضیاء اللہ محسن انکل نے ایک انوکھی کہانی پیش کی۔ 'اردو زباں ہماری' رسالے کی جان ہے۔ 'چاکلیٹ والا' زرین قمر نے اچھا لکھا۔ 'مری ایکسپریس' شکر ہے کہ حماد ظہیر اپنے پرانے کرداروں کے ساتھ حاضر ہوئے۔ انھوں نے ایک شاندار کاوش پیش کی لیکن مزاح کی کمی نظر آئی۔ 'ٹن ٹن...... ٹن ٹن' پڑھتے ہوئے ایسا لگا کہ جیسے کوئی ڈراما دیکھ رہے ہو کیوں کہ سارا منظر آنکھوں کے سامنے چلنے لگا۔ نہایت عمدہ کہانی تھی۔ 'بی مانو' پڑھ کر بی مانو پر ترس آیا۔ 'آخری حکم' نہایت دلچسپی سے بھرپور شاندار، مزے دار اور تھوڑی تھوڑی خوف ناک بھی تھی۔ 'قصہ ایک رات کا' مدیر انکل! آپ کے ہاتھ سے تو وہ لوگ نکل گئے لیکن مجھے ان لوگوں کے بارے میں پہلے ہی اطلاع مل گئی تھی اور میں نے جلد از جلد حکومت کو آگاہ کر دیا لہٰذا اب آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں کیوں کہ ان سے وہ صندوق چھین لیا گیا ہے۔ 'خاطرداریاں' بہت خوب۔ 'ہنستی مسکراتی اور اچھا سبق دیتی کہانی تھی۔ 'چیمپین' نے چونکا دیا۔ 'بھورا پاؤچ' بہت عمدہ۔ 'خزانے کی تلاش' پڑھتے ہوئے بہت مزا آ رہا تھا۔ خاص کر آخری پیراگراف تو بہت اچھا لگا۔ 'فاطمہ بنت عبداللہ' کے بارے میں پہلی بار پڑھا۔ نظم اور تحریر دونوں اچھی تھیں۔ 'نیکی کا سفر' ایک خوب صورت انداز سے لکھی گئی اچھا سبق دیتی کہانی تھی۔ 'ساتھی میں سات سال...... یادگار بے مثال' پڑھ کر اچھا لگا۔ 'دنیا کے دلچسپ کارنامے اور عجیب واقعات' حیرت انگیز تھے۔ ظفر شمیم کی کمی عاقب جاوید نے پوری کر دی۔ 'نئی جیکٹ' خوب صورت کہانی کا نہایت عمدہ انداز سے ترجمہ کیا گیا ہے۔ ویسے ابھی کل رعنا صاحبہ کو کسی سسپنس جاسوسی ناول کا ترجمہ بھی کرنا چاہیے۔ 'جیب خرچ' بہت ہی اعلا پائے کی تحریر ہے۔ 'موٹر سائیکل اور ہم' پڑھ کر مسکرا اٹھے۔ ویسے ابھی انھیں اپنے ماموں کو بتا دینا چاہیے کیوں کہ اب وہ ۳۹ سال کے ہو چکے ہیں اور اب اس عمر میں انھیں ماموں تھوڑی نہ ماریں گے۔ 'قاتل کون؟' اپنے نام سے ہی دلچسپ لگ رہی تھی۔ سسپنس سے بھرپور اس کہانی نے اشتیاق احمد انکل کی کمی کو پورا کر دیا۔ فوزیہ صاحبہ نے نہایت شاندار کاوش پیش کی۔ 'سنگ تراش' ایک اچھی تحریر تھی۔ 'بڑا آدمی' آواز خان سچ میں بڑا آدمی تھا۔ 'ڈگڈگی' اچھا ڈراما تھا لیکن اگر کسی اور موضوع پر ڈراما بنایا ہوتا تو زیادہ بہتر رہتا۔ 'ٹھنڈی الماری' یہ مضمون آپ کو گرمیوں میں شائع کرنا چاہیے تھا۔ 'ذرا تو ذکر دکھائیں' اور 'قلم سازی' بھی عمدہ تحریریں تھیں۔ نظموں میں سب سے اچھی نظمیں 'جنت کی تصویر، چوک کی بتیاں، بوجھو پہیلی شام کی اور تمھیں ڈاکٹر کو دکھانا پڑے گا' تھیں۔ باقی نظمیں 'اس کا کرم ہے، سیٹی بجا کے، ایک کہانی بڑی کہانی، خودداور روٹی یا پلیٹ' بھی چالیس سالہ نمبر کی رونق بڑھا رہی تھیں۔ 'خط...... سونے' کے تمام خطوط مزے دار تھے۔ آپ نے مجھے شرارتوں کو بے تاج بادشاہ کہا لیکن تاج سے کیا ہوتا ہے۔ تاج کے بغیر بھی تو بادشاہ بادشاہ ہی رہتا ہے۔ اچھا ہمارے دربار لگنے کا وقت ہو گیا ہے اور پھر اس کے بعد ہمیں دورے پر بھی جانا ہے تاکہ اپنی رعایا کا حال معلوم کر سکیں۔

☆...... 'السلام علیکم' ایک مستقل عنوان بھی ہے۔

اپنے کالج میگزین کی مدیرہ طیبہ فاطمہ بھی ہمارے درمیان موجود ہیں

رنگوں سے مزین سرورق میں استعمال ہونے والے رنگ اتنی مہارت سے استعمال کیے گئے کہ ہر ایک سرورق دیکھتا ہی رہ جائے۔ 'السلام علیکم' پڑھ کر آپ سب کی محنت کا اندازہ ہوا مگر جو پزل آپ نے گفٹ دیا ہے اس پر تو چھوٹے بہن بھائیوں کا قبضہ ہو گیا اور ہمارے ہاتھ صرف ساتھی لگا۔ 'ہمارے مشغلے' اچھی تحریر تھی

مگر ہمارے ذہن میں ایک سوال آ رہا ہے کہ اتنے بڑے مصنف نے آخر کتابوں کے مطالعے کا مشغلہ کیوں نہ اپنایا؟ 'فاتح قادسیہ' بھی بہترین تھی۔ اس طرح کی کہانیاں پڑھ کر محترمہ فریال کی یاد آ جاتی ہے۔ 'السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ' اتنے بہترین انداز میں لکھی ہوئی تھی کہ ہم نے بھی پورے سلام کا عہد کیا۔ 'اقبال شعر کیسے کہتے تھے؟' ہمارے لیے نئی معلومات لیے ہوئے تھی۔ 'مزے دار سیر' بھی اچھی تھی۔ تصویروں کی وجہ سے مزہ دوبالا ہو گا۔ 'لال چڑیا' پڑھ کر چڑیا کی حالت پر افسوس ہوا اور ان لوگوں پر بھی جو بلاوجہ پرندوں کو تنگ کرتے ہیں۔ 'نام' ہمارے معاشرے میں پھیلی ہوئی بیماری کی درست عکاسی کر رہی تھی۔ 'جنگل میں تارے' میں اگر کچھ اور کردار بھی شامل ہو جاتے تو اور مزہ آتا لیکن جتنے شامل تھے انھوں نے بھی خوب ہنسایا۔ 'اردو زباں ہماری' کو سب سے آخر میں ڈرتے ڈرتے پڑھا کہ کہیں ہماری تحریر میں بھی کوئی غلطی نہ نکالی گئی ہو مگر صد شکر کہ ہماری بچت ہو گئی۔ ویسے اطہر علی ہاشمی صاحب سے ایک سوال کرنا ہے کہ 'نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے' یہ محاورہ درست ہے یا غلط؟ یعنی اس میں طوطی کی جگہ توتی تو نہیں ہے؟ نیز اس کا لفظی مطلب کیا ہے؟ 'کہانی ایک سفر کی' کا پہلا ٹکڑا مزے دار تھا اور اگلے ٹکڑے کا انتظار ہے۔ 'سکے کی کہانی' معلوماتی تحریر تھی مگر ساتھ میں سکوں کی تصاویر بھی دی جاتیں تو مزید وضاحت ہو جاتی۔ 'مری ایکسپریس' بہترین کہانیوں میں سے ایک تھی۔ شکر ہے حماد ظہیر کی بھی تشریف آوری ہوئی اور تحریر کا عنوان تحریر سے میل کھاتا تھا۔ 'ٹن ٹن...... ٹن ٹن' پڑھ کر احساس ہوا کہ بچپن کتنا خوب صورت زمانہ ہوتا ہے۔ 'بی مانو' نے کہانی کہانی میں اہم ترین سبق سکھا دیا۔ 'آخری حکم' پڑھ کر آنسو روکنا مشکل ہو گیا تھا۔ اس طرح کی کہانی ہر مہینے شائع ہونی چاہیے۔ 'قصہ ایک رات کا' ٹھیک تھی مگر اس میں مدیر ساتھی کا اصل نام پڑھ کر حیرت ہوئی۔ اب تک ہم ان کے الگ الگ نام پڑھ کر انھیں دو مختلف انسان سمجھتے رہے تھے۔ 'خاطرداریاں' بہترین تھی اور ہمیشہ کی طرح مزاح اور سبق کو ساتھ ساتھ رکھنا۔ 'چیمپین' کہانی بہترین تھی۔ 'خزانے کی تلاش' میں بہت اہم سبق پوشیدہ تھا۔ اللہ کرے یہ سبق تمام امت مسلمہ تک پہنچ جائے۔ 'فاطمہ بنت عبداللہ' جوش و ولولہ سے بھرپور تھی۔ 'نیکی کا سفر' معاشرے میں موجود تاریکی کو ختم کرنے کی بہترین کوشش تھی۔ 'آئینہ' پڑھ کر اپنا سا لگا۔ 'نئی جیکٹ' پڑھ کر اندازہ ہوا کہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے۔ 'انوکھا تحفہ' پڑھ کر دل میں ایک خواہش جاگی کہ کاش ہمیں بھی کوئی ایسا تحفہ دے۔ 'جیب خرچ' بھی اچھی تھی۔ 'موٹر سائیکل اور ہم' پڑھ کر ہم نے بھی سبق حاصل کرنے کی کوشش کی۔ 'قاتل کون؟' رسالے کی بہترین کہانیوں میں سے تھی۔ 'بڑا آدمی' نے ہمیں بھی سوچنے پر مجبور کر دیا۔ 'ڈگڈگی' عجیب سی لگی۔ نظموں میں 'اس کا کرم ہے، جنت کی تصویر، خودی اور روٹی یا پلیٹ' بہترین تھیں۔ سب سے آخر میں ہم مریم حسن خان، سعدیہ اور حماد شاہ کا شکریہ ادا کرنا چاہتے ہیں کہ انھوں نے ہماری تحریر کو پڑھا اور پسند کیا۔ ان کے تبصرے پڑھ کر ہم اندازہ نہیں کر پا رہے تھے کہ ہمیں زیادہ خوشی کس بات کی ہوئی تھی۔ کہانی شائع ہونے کی، انعام ملنے کی یا اس بات کی کہ ہمارا پیغام بہت سے لوگوں تک پہنچ گیا۔

ام عثمان ہمیں اپنی دعاؤں سے نواز رہی ہیں

ساتھی ماشاء اللہ ۴۰ سال کا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ اس کی عمر میں اور برکت دے اور اس کے لکھنے والوں کو، پڑھنے والوں کو اور جنھوں نے اتنی محنت سے ایسا شاندار ایڈیشن شائع کیا ہے سب کو سلامت رکھے اور خوشیوں سے ہمکنار کرے۔ جتنی دفعہ رسالہ ہاتھ آیا (کیوں کہ بچے ہاتھ میں آنے ہی نہیں دے رہے) خوشی سے ہر کہانی کو کئی کئی دفعہ پڑھنے کا دل چاہا اور نظمیں، اقوال، مدیران کا تعارف یہ سب بہت ہی اچھا ہے، اعظم طارق بیٹے نے بہت محنت کی ہے ان کو اور ان کی پوری ٹیم کو بہت بہت مبارک باد اور بہت ساری دعائیں۔

☆...... آپ لوگوں کی دعاؤں کے طفیل ہی یہ سارے پہاڑ جیسے مرحلے با آسانی طے ہو جاتے ہیں۔

محمد ریمیز بٹ، لاہور سے ہمارے درمیان موجود ہیں

گزارش یہ ہے کہ میرے علاقے میں ماہنامہ ساتھی نہیں آ رہا۔ میں اکتوبر کے پورے مہینے میں بار بار اخبار والے کے پاس پتا کرنے گیا مگر اکتوبر کا شمارہ نہ ملا۔ میں سمجھا کہ شاید ساتھی بند ہو گیا ہے مگر آج میں نے جب نیٹ پر اکتوبر ۲۰۱۷ء کا شمارہ دیکھا تو بے چین ہو گیا۔ اخبار والے کے پاس گیا تو اس کا وہی کہنا تھا کہ یہ رسالہ مارکیٹ میں نہیں آ رہا۔ آج نومبر کی بارہ تاریخ ہو چکی ہے اور نومبر کا شمارہ بھی اب تک نہیں آیا۔ براہ مہربانی آپ اس کا نوٹس لیں اور ماہنامہ ساتھی کا پچھلا اور اس مہینے کا شمارہ لاہور بھی پہنچوانے کا انتظام کریں اور آئندہ بھی ساتھی باقاعدگی سے لاہور بھجوانے کا انتظام کریں۔ اکتوبر ۲۰۱۷ء کے شمارے میں 'الفاظ کا تعاقب' میں میرا انعام نکلا ہے مگر اس کا بھی کوئی پتا نہیں۔

☆...... آپ اس نمبر پر رابطہ کیجیے 0333-3718343۔

بچوں کے شاعر افق دہلوی لاہور سے چالیس سالہ نمبر پر تبصرہ فرما رہے ہیں

آپ کا بھیجا ہوا ساتھی کا چالیس سالہ نمبر ۱۰ اکتوبر کو ملا۔ آپ کا شکریہ، ٹائٹل خوب صورت رہا، شروع سے آخر تک سب کچھ پڑھنے کے لائق ہے۔ اس شمارے پر اچھی محنت کی گئی ہے اور رنگ لائی ہے۔ اس میں جو سب سے عمدہ تحریر ہے وہ شیدہ صاحب کی نظم ہے۔ اس میں کس قدر روانی اور تسلسل ہے کئی بار پڑھنے سے بھی دل نہیں بھرتا۔ شیدہ صاحب حضرت احسان دانش کے شاگرد ہیں۔ اس شمارے میں دوسری نظم جو مجھے پسند آئی عمران شمشاد کی 'خودی' ہے۔ علامہ اقبال کا تصور کس خوب صورتی سے بیان کیا ہے، ایسی نظمیں بورڈ کی کتابوں میں شامل ہونی چاہییں لیکن بورڈ میں جو علامہ بیٹھے ہیں یہی وہ دو ڈھائی سو سالہ سوتے ہوئے لوگوں کو جگا رہے ہیں۔ جب موجودہ دور کے شعرا اور ادبا کو گزرے ہوئے دو ڈھائی سو سال ہو جائیں گے تب یہ ان کی کھوج نکالیں گے، تیسری بہترین

نظم جو مجھے اچھی لگی جناب عنایت علی خان صاحب کی ہے یعنی 'چوک کی بتیاں'۔ کاش ہم لوگ سڑک پر چلتے ہوئے اُنھیں کھلی آنکھوں سے دیکھیں۔ جناب عنایت علی خان صاحب کے پاس تو اللہ میاں کا ٹیلی فون نمبر بھی ہے۔ میں بھی کئی بار بلکہ آج کل تو روزانہ ہی اُن کے نمبر پر فون کرتا ہوں لیکن 'ٹن' کر کے رہ جاتا ہوں۔ بات ہو ہی نہیں پاتی۔ کچھ تو خرابی نیٹ ورک کی ہے کچھ اللہ میاں کی مصروفیت ہے، آبادی اس قدر بڑھ گئی ہے۔ بارش کی طرح لوگ برس رہے ہیں۔ وہ کس کس کو دیکھیں اور کس کس کو روکیں آخر ایک دن غصے میں آ کر اللہ میاں وہ کر دیں گے جو پہلی قوموں پر ہوتا رہا ہے۔ ابصار عبدالعلی صاحب نے 'سیٹی بجا کے' چٹکے سے سب کام کر دیا ہے۔ ضیاء الحسن ضیا صاحب کی 'روٹی یا پلیٹ' نظم نے بھی ساگ کا مزا ہمیں بھی دیا۔ انگریز کی ایمانداری تو دیکھیے صرف ساگ چٹ کر گیا۔ اسے کیا معلوم تھا یہ پلیٹ انگلینڈ کی نہیں پاکستانی گاؤں کی مٹی کی بنی ہوتی ہے۔ 'جنت کی تصویر' جو مومن صاحب نے دکھائی ہے اس سے لگتا ہے جنت مومنوں کے لیے ہے۔ خدا معلوم ہمارا ٹھکانا کہاں ہو۔ ہمیں چاہیے اس دنیا میں ایک دوسرے سے پیار سے مل لیا کریں یہی جنت ہے۔ ساتھی میں سب سے پہلے جو پڑھا کرتا ہوں وہ جناب اطہر علی ہاشمی صاحب کی تحریر ہوتی ہے۔ اس سے بڑی اصلاح ہوتی ہے، اب کراچی آیا تو سب سے پہلے ان کا دیدار کروں گا۔ 'سکے کی کہانی' بڑی معلوماتی ہے محمد علی ادیب بہت کام کر رہے ہیں ابھی تو چھوٹی عمر ہے بڑے ہوتے تک کہاں تک پہنچیں گے۔ جناب رفیع الدین ہاشمی کی تحریر زبردست اور معلوماتی ہے۔ یہ ایسی تحریر ہے جسے بچوں کی کتابوں کی زینت بننا چاہیے۔ کلیم چغتائی صاحب کی تحریر سے معلومات حاصل ہوئیں۔ ایمان جو دل میں چھپا ہوا ہے اُس نے انگڑائی لے کر جگایا۔ عدنان طارق صاحب کی 'سنگ تراش' پسند آئی۔ اس رسالے میں احمد حاطب صدیقی صاحب کی نظم تلاش کرتا رہا لیکن سردی کے باعث وہ شیروانی پہنے ہوئے السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ کہتے ملے۔ میں نے ساتھی سارا پڑھ ڈالا ہے۔ ہر تحریر سونے پر سہاگا ہے۔ اگر میں ہر ایک تحریر کا حوالہ دیتا رہا تو آپ خاک چھاپیں گے، اس معمولی تبصرے سے ہی دو صفحات بھر گئے ہیں۔ ہر دوست اور ہر بہن کی تحریر پر ایمانداری سے لکھا ہے۔ اب دیکھتا ہوں آپ میرا تبصرہ چھاپنے میں کتنی ایمانداری برتتے ہیں؟ یا شام درانی صاحب کی طرح پہیلیاں بوجھتے رہیں گے۔ شام صاحب قسم سے آپ بڑے یاد آ رہے ہیں! جاوید بسام صاحب کا 'انوکھا تحفہ' 'بڑا آدمی'، بی مانی، فاطمہ بنت عبداللہ، آئینہ اور دیگر تمام کہانیاں بہت خوب ہیں۔ آپ سے جو ساتھی کے پرانے مدیروں کا تعارف کرایا ہے، خوب رہا۔ 'دلچسپ اور عجیب کارنامے' بہت خوب اور معلومات افزا ہیں۔ 'بت شکن' محمود غزنوی نے جب سومنات کے مندر پر حملہ کیا تو اس میں ایک بت ہوا میں معلق تھا۔ اسے دیکھ کر محمود غزنوی بھی ٹھٹک کر رہ گیا۔ جب اس نے اسے توڑا تو اس کے حصے دیواروں سے چپک گئے جن میں طاقت ور مقناطیس لگے ہوئے تھے۔ وہ تمام دولت سمیت کر غزنی آ گیا۔ منیر احمد راشد صاحب کی نظم بہت خوب ہے اس میں بڑا سبق ہے، جنگل میں منگل ہوا کرتا تھا لیکن ضیاء اللہ محسن صاحب نے جنگل میں تارے دکھا کر طبیعت خوش کر دی۔ اشتیاق احمد مرحوم کو اللہ غریق رحمت دے۔ ادبی دنیا میں ان کا بڑا نام ہے، یہ زندہ ہیں اور زندہ رہیں گے۔

محمد ارسلان صدیقی اپنی خوب صورت لکھائی میں رقم طراز ہیں

چالیس سالہ نمبر اگر چہ دیر سے ملا مگر دیکھتے ہی دل خوشی سے جھوم اُٹھا۔ انوکھا سرورق اچھا لگا اور پھر ایک پیارا سا گفٹ بھی، واہ مزا آ گیا۔ اس بار لگتا ہے ساتھی کی خاطر تواضع خوب کی گئی تھی۔ ہر چیز دوسرے سے بڑھ کر ہے۔ یہ سب آپ کی، آپ کی ٹیم کی اور لکھاری حضرات کی محنت و مشقت کا نتیجہ ہے۔ خاص نمبر کے لحاظ سے اشتہار کم تھے، نسبتاً دیگر رسائل و جرائد کے۔ ڈیزائننگ اور رنگت بہت پسند آئی اور ایک انوکھی بات لکھاریوں کا تعارف ہے، جس میں کئی رازوں سے پردہ اُٹھا دیا گیا ہے۔ اگر ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ فیس بک پر جو اعظم طارق کوہستانی نام کے جو کرنل اور نو عمر شخص ہیں وہی ساتھی کے مدیر بھی ہیں تو آپ سے اسی وقت دوستی کا ہاتھ ملا لیتے مگر ہائے افسوس! ساتھی نے اپنے بارے میں بہت کچھ بتایا، جان کر اچھا لگا۔ 'السلام علیکم، مری ایکسپریس اور قاتل کون' بہترین کہانیاں تھیں۔ 'مزے دار سیر، جنگل میں تارے اور قصہ ایک رات کا' بھی اچھی لگیں۔ رفیع الدین ہاشمی، زرین قمر، محمد علی ادیب، حسام چندریگر اور عاقب جاوید کے مضامین بھی پسند آئے۔ محمد فیصل شہزاد کا سفرنامہ اچھا ہے، دوسرے ٹکڑے کا انتظار رہے گا۔ یہ جان کر اچھا لگا کہ ساتھی کے مدیر طالب علم ہی ہوتے ہیں۔ آپ بھی اتنے کم عمر ہیں۔

☆ — انعامات ٹی سی ایس کوریئر سے بھیجے جاتے ہیں۔

رومیسا بنت عبدالوہاب، رحیم یار خان سے ہماری محفل میں شریک ہو رہی ہیں

ساتھی کے چالیس سالہ نمبر کو خاص الخاص شمارہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا جس میں گزشتہ مدیران ساتھی کے بارے میں معلومات، قلمکاروں کے بارے میں معلومات سے ہمیں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کس رائٹر کا کون سا قلمی نام ہے، سب سے پہلے 'قاتل کون' پڑھی۔ جاسوسی کہانی تھی۔ آخر تک ہمیں تجسس رہا کہ قاتل کون ہے۔ 'بڑا آدمی، سنگ تراش، موٹر سائیکل اور ہم' چھوٹی تھیں مگر مزہ دے گئیں۔ 'نیکی کا سفر' نئے انداز سے پیش کی گئی ہے اچھی لگی۔ 'بھورا پاؤچ'، 'چمکیلی' متاثر کر گئیں۔ 'خاطر داریاں' بینا صدیقی ہمیشہ انوکھا آئیڈیا لے کر آتی ہیں۔ ہنسی مذاق میں سبق دے جاتی ہیں۔ 'قصہ ایک رات کا' میں مدیر نے ساتھی کی ٹیم کو شامل کر لیا۔ مجموعی طور پر 'السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ' پہلے نمبر پر رہی۔ دوسرے نمبر پر 'مری ایکسپریس' ہے۔ تیسرے نمبر پر 'آخری حکم' رہی۔ ہمارے مشغلے کافی مزاحیہ تھی۔ باقی شمارہ پڑھنے والا ہے۔ 'الفاظ کا تعاقب' یہ سلسلہ میٹرک تک کے بچوں کے لیے ہے مگر ہم تو اسکول نہیں پڑھتے۔ میں عالمہ بن رہی ہوں تیسرا

سال ہے کیا میں بھیج سکتی ہوں۔

☆ — جی آپ بھی بھیج سکتی ہے۔

اُم ماریہ بنت محمد اسحاق ساتھی کے معصوم مدیران پر غصہ ہو رہی ہے

رات کافی دیر تک نیٹ پر ماہنامہ ساتھی کا جائزہ لیا۔ پھر بے تابی سے نومبر کے شمارے کو جلد اپنے ہاتھوں میں لینے کی اُمید لیے نیند کی آغوش میں کھو گئی، صبح آنکھ دیر سے کھلی اور ساتھی رسالہ کو گھر میں پایا۔ تفتیش کے بعد معلوم ہوا کہ ہمارے پیارے رضوان ماموں ساتھی رسالے کو کان سے پکڑ کر گھر میں لانے میں کامیاب ہو ہی گئے ہیں۔ رسالہ جلد ملنے کی بے حد خوشی ہوئی اور یوں لگا کہ اس خوشی کا اختتام کہیں کھو سا گیا۔ میں تیز قدموں کے ساتھ بنا دستک دیے ہی خط...... رے کی محفل میں آ دھمکی۔ وہاں اپنا خط دیکھ کر خوشی دوبالا ہو گئی مگر خط پڑھتے ہی خوشی کے اختتامی لمحات نے میرا ہاتھ تھام لیا جب میں اپنے طویل خط کو ننھے منے سے خط میں تبدیل پایا۔ معاف کیجیے گا مگر وہ ایک مصرع بڑا مشہور بھی ہے نا کہ 'بول کے لب آزاد ہیں تیرے' اس ہی کو ذہن میں رکھتے ہوئے کہے دیتی ہوں کہ ساتھی میں چوری کی وارداتیں بڑھتی جا رہی ہیں اور یہ چوری خط میں پروئے گئے الفاظوں کی ہے جو کہ ہم جیسے معصوم قارئین نہایت محنت سے لکھتے ہیں اور یقیناً چور ساتھی کی ٹیم میں ہی موجود ہے جو کہ ہمارے خطوط کو کاٹ پیٹ کر الفاظ غائب کر دیتے ہیں اور چند لائنوں میں سمو دیتے ہیں۔ اللہ ہی ہدایت دے سکتا ہے ہمارے احتجاج سے کچھ نہیں ہونے والا۔ چالیس سالہ نمبر کے سرورق میں ساتھی کی ٹیم بہت ہی خوش نظر آ رہی ہے۔ مدیر انکل ہاتھ میں قلم لیے لفظوں کو سنبھال رہے ہیں ناریہ آپی، ماریہ آپی — کیا ساتھی کو جوانڈس (پیلیا) ہو گیا ہے اتنا پیلا کیوں ہو رہا ہے۔'' یہ معصومانہ سوال ساتھی کا سرورق دیکھ کر ساتھی کے ننھے سے قاری جو کہ فی الحال تصاویری مطالعہ ہی کر سکتے ہیں، جی ہاں یہ محمد بن اورنگزیب ہیں جو کہ میرے ماموں کے بیٹے اور میرے چھوٹے سے دوست ہیں۔ ابھی میں کچھ جواب سوچ ہی رہی تھی کہ ایمان صاحبہ تشریف لے آ گئیں بھائی لڈو کھا لیں اور محمد صاحب بھاگتے ہوئے ان کے ساتھ غائب ہو گئے اور میں دوبارہ رسالہ میں غوطہ زن ہوئی۔ 'اس کا کرم' حمد سے لے کر 'ڈاکٹر کو دکھانا پڑے گا' نظم تک پورا شمارہ ہی اعلا ہے۔ ویسے جتنی محنت ساتھی کو خوب صورت اور نکھرا بنانے کے لیے کی ہے اس کی تعریف کے لیے الفاظ کا ہجوم ہے جو میرے چہار جانب بے ہنگم انداز میں گردش کر رہا ہے اگر سب کو قطار میں لگاتی رہی تو یہ میرے دھان پان سے ساتھی کے ساتھ زیادتی ہو گی۔

عبدالکریم بخش لکھتے ہیں

ساتھی کا چالیس سالہ نمبر حد سے زیادہ اچھا تھا۔ سرورق بھی اچھا تھا۔ 'دل بی دستک' میں شروع شروع میں تھوڑی حیرت ہوئی پھر وہ حیرت جاتی رہی۔ نظم 'اس کا کام ہے' اچھی تھی۔ 'ہمارے مشغلے' بہت مزاحیہ تھی۔ معلوماتی کہانی 'فاتح قادسیہ' اچھی لگی۔ 'مزے دار سیر' پڑھ کر ایسا محسوس ہوا کہ ہم بھی اسی سیر میں شامل ہیں انکل۔ ابھی ہم اس سیر کے مزے ہی لے رہے تھے کہ ہم اُڑ کر جنگل میں پہنچ گئے جہاں پر شیخ چلی اور باقی کرداروں کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ ابھی ہم انکل سب کرداروں سے اپنا تعارف کرا ہی رہے تھے کہ ہم نے 'چاکلیٹ والا' کی چاکلیٹ کی دنیا میں پہنچ گئے، جہاں پر سب چاکلیٹ ہمارا استقبال کر رہی تھیں۔ 'کہانی ایک سفر کی' سفرنامہ بے حد اچھا تھا۔ 'مری ایکسپریس' بھی بہت اچھی تھی۔ پورے رسالے میں 'بی مانو' بہت زیادہ اچھی لگی۔ 'آخری حکم' اتنی اچھی تھی کہ بیان نہیں کر سکتے۔ 'ایک کہانی بڑی پرانی' نظم بھی اچھی تھی۔ 'خزانے کی تلاش' کوئی خاص نہیں تھی۔ 'آئینہ' اچھی تھی۔ 'نئی جیکٹ' بھی اچھی تھی۔

خوشبو نور محمد — اپنی خوشبو سے ساتھی کو مہکا رہی ہیں

جب ساتھی کو ہاتھ میں دیکھا تو خاص خوش گوار تاثر نہ تھا مگر پڑھنے کے بعد اندازہ ہوا کہ کتنا اہم ہے، میں نے اپنی والدہ اور باقیوں کو پڑھنے کو دیا اور سب نے بے حد سراہا۔ زبردست تحریریں تھیں، بے حد اچھی لگی۔ تمام کہانیاں ایک سبق سکھاتی ہیں، اک نئے پہلو سے روشناس کراتی ہوئی، خوب صورت لفظوں کے پیراہن سے سجی نہایت خوب صورت تحریریں، ہم تو ساتھی کے گرویدہ ہو گئے، ساتھی کا رسالہ مجھے میری ٹیچر نے دیا تھا پڑھنے کو، جو خود بھی اس میں لکھتی ہیں، چوں کہ پہلے کبھی پڑھا نہیں تھا تو مجھے لگا شاید اندر گل بکاؤلی اور شہزادہ ٹائپ والی کہانیاں ہوں گی مگر انداز کے برعکس نہایت خوب صورت اور سبق آموز تحریروں نے دل ہی موہ لیا، تعریف کرنے کے لیے لفظوں کی کمی محسوس ہو رہی ہے، کاش میرے پاس وہ خوب صورت اور ذخیرہ الفاظ ہوتے جس سے میں اپنے جذبات کو صحیح سے واضح کر سکتی، پتا نہیں ٹھیک سے میں اپنے لفظوں کی وضاحت کر پائی ہوں یا نہیں۔

معروف شاعر حکیم خان حکیم بھی ہماری محفل کی رونق بڑھا رہے ہیں

ساتھی کا چالیس سالہ نمبر موصول ہوا تو دیکھ کر دل کو بہت مسرت ہوئی۔ سرورق قابل ستائش ہے، ڈیزائننگ بہت پیاری اور خوب محنت کی مظہر ہے۔ لطائف، نظمیں اور انعامی سلسلے رسالے کی جان ہیں۔ کہانیاں تو سب ہی معیاری اور لاجواب ہیں، اتنا اچھا اور خوش رنگ پرچا آپ کی انتھک محنتوں کا ثبوت ہے۔ رائٹر حضرات کی محنت اور تعاون بھی رسالے کی خوب صورتی میں اضافے کا سبب ہے۔

ابن آدم لکھتے ہیں

بہت انتظار کروایا اس ساتھی نے، جتنی شدت سے ہمیں انتظار تھا اتنا ہی لیٹ ہو رہا تھا جس کی وجہ سے ہم کافی خفہ بھی تھے لیکن جب اچانک ساتھی ملا تو حیرت

بھی ہوئی اور خوشی بھی۔ اتنا موٹا تازہ اور صحت مند ساتھی کو دیکھا تو منہ میں پانی بھر آیا۔ ساتھی کی چالیسویں سالگرہ بہت مبارک ہو، چمکتا دمکتا سرورق بہت ہی بھلا معلوم ہوا۔ سالنامے کی سوغاتیں ہم پہلے ہی فیس بک پر چکھ چکے معاف کیجیے گا پڑھ چکے تھے۔ دل پہ دستک میں شعر زبردست تھا۔ ہمارے مشغلے اچھی تھی۔ ویسے ہمارا مشغلہ تو مارشل آرٹسٹ بننا ہے۔ 'فاتح قادسیہ' سے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے بارے میں معلومات حاصل ہوئیں اور کہانی کے اسکیچ کو دیکھ کر فریال یاور کی تحاریر یاد آ گئیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائیں (آمین) 'السلام علیکم' میں سلام کو پھیلانے کا سبق دیا گیا۔ 'اقبال شعر کیسے کہتے تھے' ڈاکٹر اقبال کی صلاحیتوں کو بیان کرتی ایک عمدہ تحریر تھی۔ غلام مصطفیٰ سولنگی کی 'لال چڑیا' اچھی تھی، ان سے گزارش ہے کہ تاریخی مقامات کی سیر کروا دیں۔ 'نام' ایک دل لبھاتی تحریر تھی۔ 'جنگل میں تارے' واقعی ایک مزے دار کہانی تھی۔ فیصل بھائی کی 'کہانی ایک سفر کی' بہت ہی مزے دار دلچسپ اور مزاحیہ کہانی رہی، دوسرے حصے کا انتظار ہے۔ محمد علی ادیب نے 'سکے کی کہانی' کے ذریعے سکے کی تاریخ سے روشناس کیا اور پھر اس کے بعد آئے وہ مصنف جن کے ہم بڑے والے پنکھے ہیں یعنی حماد ظہیر بھائی، فوزی آپی والے کرداروں کی تو بات ہی الگ ہے۔ بہت خوب حماد بھائی، بہت عمدہ کہانی تھی۔ 'ٹن ٹن ---- ٹن ٹن' زبردست تحریر تھی۔ 'زمانہ عمر نے واقعی بہت جلد قارئین ساتھی کے دلوں میں جگہ بنالی ہے اور ماضی جو بچپن کی خوب صورت یادوں سے پُر ہو اس کو بھولنا تو ویسے ہی ناممکن ہوتا ہے۔ 'آخری حکم' دل کو لگی بہت ہی اعلا تحریر تھی۔ 'قصہ ایک رات کا' اچھی تھی ساتھی کی ٹیم کو کردار بنالیا واہ...... بہت خوب۔ 'خاطر داریاں' زبردست تھی۔ بینا صدیقی کی کہانی ہو اور بندہ مسکراتے ہوئے اور دلچسپی سے نہ پڑھے ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا۔ 'ہیجمپئن، بھورا پاؤچ، فاطمہ بنت عبداللہ، خزانے کی تلاش اور نیکی کا سفر' بھی عمدہ تھیں۔ حفصہ صدیقی کی 'آئینہ' میں ہم نے ایک غلطی پکڑلی۔ ہوسکتا ہے کہ ہم غلط ہوں لیکن صفحہ ۲۰۸ پر ایک جملہ ہے 'ایک اور دکھ میں اضافہ ہو گیا' ہمارے خیال میں یہ 'ایک اور دکھ کا اضافہ ہو گیا' یا 'دکھ میں ایک اور اضافہ ہو گیا' ہے۔ اب ہاشمی صاحب ہی صحیح بتا سکتے ہیں۔ گل رعنا صدیقی صاحبہ ایڈیلیٹن کے سوا بھی کسی کا ترجمہ کردیں۔ 'قاتل کون' اعلا رہی اور سراغ رسانی میں دلچسپی ہونے کے باعث زیادہ پسند آئیں۔ نظموں میں 'چوک کی بتیاں، جنت کی تصویر اور روٹی یا پلیٹ' زبردست رہیں۔ ساتھی کی تاریخ زبردست طریقے سے بیان کی گئی اور پیامی کی شکل بھی دیکھ ہی لی۔ معلوماتی مضمون بھی اچھے تھے۔ قلم کاروں کا تعارفی سلسلہ بھی زبردست رہا۔ ہم نیر کاشف کو مصنف سمجھتے تھے لیکن محترمہ تو مصنفہ ہیں۔

اورنگی ٹاؤن کی سنگلاخ گلیوں سے صبا عبدالغنی کچھ کہہ رہی ہیں

ساتھی کا چالیس سالہ نمبر ہمیں بہت انتظار کے بعد ۹ نومبر کو ملا۔ اتنا ضخیم سالنامہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ ہم نے بھی اکثریت کی طرح رسالہ ہاتھ میں آتے ہی پہلے خطوط پڑھے یعنی اُلٹی طرف سے پڑھنا شروع کیا۔ اس بار حیرت انگیز طور پر ہر خط کے ساتھ جواب موجود تھا۔ مریم حسن خان کا بھرپور تبصرہ شاندار تھا لیکن اس کے ساتھ موجود جواب نے تو بے ساختہ کھلکھلانے پر مجبور کر دیا۔ عروبہ امتیاز خان کو امتحان میں اچھے نمبروں سے کامیابی حاصل کرنے پر دلی مبارک باد۔ ننھی فاطمہ کا ننھا منا سا خط بہت پیارا لگا۔ ساتھی کی 'گڑیا' (طوبیٰ بنت فاروق) کی شاعری کو ساتھی میں شامل کرلیں نہیں تو خطوط میں ہمیں ان کے خطرناک شعر پڑھنے پڑیں گے۔ خواتین کی اطہر ہاشمی (ارم آصف صدیقی) کا خط زبردست تھا۔ امامہ رضوان اور سید علی شاہ تاج کو ساتھی میں پہلی بار شرکت کرنے پر خوش آمدید۔ سرورق بہترین تھا۔ 'دل پہ دستک' پڑھ کر تھوڑی حیرانی ہوئی کیوں کہ یہ بات ہمارے لیے بالکل نئی تھی۔ 'ہمارے مشغلے' ایک مزے دار تحریر تھی۔ 'فاتح قادسیہ' کلیم چغتائی صاحب کی اعلا کاوش تھی۔ 'لال چڑیا' بہت عمدہ لکھی گئی۔ 'نام' ناموں کی تاثیر کو اُجاگر کرتی ایک سبق آموز کہانی تھی۔ 'السلام علیکم' احمد حاطب صاحب کی بہترین کہانی تھی۔ اس تحریر کی تعریف کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہے۔ انتہائی اعلا اور شاندار کاوش تھی۔ 'مزے دار سیر' ہم تو تحریر سے زیادہ تصاویر میں کھو گئے۔ اتنے ماہرانہ انداز میں یہ تصاویر بنائی گئی تھیں کہ ان پر حقیقت کا گمان ہو رہا تھا۔ مناظر تو دلکش بنائے ہی گئے ہیں لیکن بچوں کے چہروں کے تاثرات بھی اس خوب صورتی سے نقش کیے گئے ہیں کہ ہم بے ساختہ داد دے بیٹھے۔ اتنی خوب صورت تصاویر کے ساتھ تحریر پڑھنے کا لطف دوبالا ہو گیا۔ 'جنگل میں تارے' ضیاء اللہ محسن کی بہترین تحریر تھی لیکن اختتام ہمیں اُداس کر گیا۔ ہم بھی اس دور کے بچے ہیں لیکن نا صرف اس کرداروں سے واقف ہیں بلکہ ان کی کہانیاں بھی بہت شوق سے پڑھتے ہیں۔ 'کہانی ایک سفر کی' پہلا ٹکڑا مزے دار تھا۔ اگلی قسط کا بے چینی سے انتظار ہے۔ 'مری ایکسپریس' حماد ظہیر کی کہانیوں کے تو ہم ویسے ہی دیوانے ہیں ان کی اس تحریر نے تو اور دیوانہ بنا دیا۔ اسلام کی شان کو اُجاگر کرتی یہ کہانی آنکھوں کے راستے سیدھی دل میں اتر گئی۔ 'ٹن ٹن..... ٹن ٹن' بچپن کی یادوں پر مبنی دل گداز کہانی تھی۔ 'بی مانو' عائیہ رحمت نے عمدہ لکھا۔ راز کو راز رکھنا تو ہم لوگ جماعت سے ہی سیکھ گئے تھے۔ 'آخری حکم' ابن آس محمد کی اعلا کاوش تھی۔ اختتام جھلمل کرتی آنکھوں سے پڑھا بلکہ اس حوالے سے لکھتے ہوئے بھی دل اُداس ہو رہا ہے۔ 'خاطر داریں' بینا صدیقی کی کھلکھلاتی اور رشتوں کی ناقدری بیان کرتی اچھی کہانی تھی۔ 'قصہ ایک رات کا' واہ کیا کہانی ہے پڑھ کر مزا آ گیا۔ ساتھی کی ٹیم سے مل کر اچھا لگا۔ تحریر کے آخر میں موجود نوٹ پڑھ کر ہم بے ساختہ ہنس دیے۔ گویا طارق بھائی یہ جتانا چاہ رہے ہیں کہ مزار کی کھدائی میں ان کا کوئی ہاتھ نہیں ہے تاکہ وہاں کا کوئی باشندہ انھیں نہ پکڑے (راز کو فاش نہ کریں) بہت خوب...... 'ہیجمپئن' بہترین کہانی تھی۔ بھئی دوست ہوں تو ایسے---- 'فاطمہ بنت عبداللہ' شہادت کے جذبے کی خوب صورتی کو ظاہر کرتی اعلا بلکہ اعلا سے بھی اعلا کاوش تھی۔ پڑھ کر بے اختیار آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ 'نیکی کا سفر' صفیہ سلطانہ کی بہترین کہانی تھی۔ 'آئینہ' کی عظمت کو بیان کرتے ہوئے حفصہ صدیقی نے اچھا لکھا۔ 'ساتھی میں سات سال' فصیح اللہ حسینی کے ساتھی کے ساتھ گزارے ہوئے لمحات کے بارے میں پڑھ کر اچھا لگا۔ 'خزانے کی تلاش' بہ

جیکٹ، الو کا تحفہ، جیب خرچ اچھی تحریریں تھیں۔ 'قاتل کون' اُف ف ف ---- اتنا تجسس بھر دیا تھا فوزیہ خلیل نے کہ ہمارا بس نہ چلتا ہم ایک منٹ میں پوری تحریر پڑھ لیتے۔ جرم سے باز رکھتی ایک لاجواب کاوش تھی۔ 'موٹر سائیکل اور ہم' معروف احمد چشتی نے دلچسپ روداد کو اور دلچسپ انداز میں بیان کیا۔ 'سنگ تراش، بڑا آدمی اور ڈگڈگی' بہترین تھے۔ نظموں میں منیر احمد راشد کی نظم 'ڈاکٹر کو دکھانا پڑے گا' بہت مزے دار تھی۔ 'ایک کہانی بڑی پرانی' بہت خوب طریقے سے ساتھی کی داستان سنائی۔ 'چوک کی بتیاں، خودی، جنت کی تصویر اور اس کا کرم ہے' پورے شمارے کی بہترین نظمیں تھیں۔ 'مٹی بجا کے' بھی ایک دلچسپ نظم تھی۔ مضامین میں 'اقبال شعر کیسے کہتے تھے' بہترین مضمون تھا۔ 'چاکلیٹ والا اور قلم سازی' معلوماتی مضامین تھے جبکہ دنیا کے عجیب و غریب کارناموں سے روشناس کراتے ہوئے عاقب جاوید کا مضمون اچھا لگا۔ اطہر علی ہاشمی کا مضمون 'اردو زباں ہماری' ہر بار کی طرح شاندار تھا۔ یوں تو تحریروں نے ساتھی کے خاص نمبر کو خوب رونق بخشی لیکن ہمیں تو سب سے زیادہ ساتھی کی چالیس سالہ تاریخ پڑھنے میں مزا آیا جو صفحوں کے درمیان لکھی گئی تھی۔ اس کے علاوہ ہر تحریر کے ساتھ مصنف کے مختصر تعارف نے تحریر کو چار چاند لگا دیے۔ یہ بہت الو کھے آئیڈیے تھے جو آخر آئے کس کے دماغ میں؟ بھئی ہم تو اس دماغ کو سلیوٹ کرتے ہیں۔ 'ذرا مسکرائیے' میں فوجی لطیفہ پڑھ کر بے تحاشہ ہنسی آئی۔ ساتھی کا یہ خاص نمبر چٹ پٹے جملوں سے مزین تھا۔ ہر جملے پر بے ساختہ مسکان لبوں پر در آ رہی تھی۔

حسب معمول ملک محمد احسن راولپنڈی سے تشریف لائے ہیں

'اس کا کرم ہے' میں خدا کی کارگزاری پر بھرپور روشنی ڈالی گئی۔ رؤف پاریکھ کی 'ہمارے مشغلے' میں عظیم نے اپنے دوست سے اچھا سوال پوچھا لیکن عظیم کے دوست صاحب شاید پڑھے، لکھے، مہذب اور باذوق نہیں تھے، اس لیے کوئی مشغلہ انھیں راس نہ آیا، ویسے آپس کی بات ہے مدیر صاحب، کسی بھی مشغلے کو اپنانے کے لیے انسان کو پڑھا لکھا، مہذب اور باذوق ہونا ضروری ہے کیا؟ کلیم چغتائی کی 'فاتح قادسیہ' میں صحابی حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے قبول اسلام اور تاریخی جنگ قادسیہ میں فتح کی وجہ سے پورے عرب اور ایران پر اسلامی پرچم لہرایا گیا، بلاشبہ یہ ان کی بھرپور جنگی حکمت عملی کا مظہر تھا۔ ساتھی مصوری کو بھی انعامی کردیا گیا، ان شاء اللہ بہت جلد اس مقابلے میں شرکت کروں گا۔ 'اقبال شعر کیسے کہتے تھے' میں علامہ اقبال کی شعر و شاعری سے متعلق بتایا گیا کہ کس طرح انھیں القا ہوتا تھا، خدا پاک کی طرف سے اور وہ پھر اسے شعر کی صورت میں ڈھال لیتے تھے، یہ بلاشبہ خدا پاک کی ان پر خاص عنایت تھی۔ 'جنگل میں تارے' میں بچوں کے تاریخی کرداروں کی طنز و مزاح سے بھرپور باتیں پڑھ کر ہم ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو گئے۔ اطہر علی ہاشمی صاحب 'اُردو زباں ہماری' میں نہایت عمدہ طریقے سے ہماری اُردو کی غلطیاں درست کروا رہے ہیں۔ حماد ظہیر کی 'مری ایکسپریس' میں جہاں ایک طرف سفر کی صعوبتوں اور مشکلات کا ذکر تھا تو دوسری طرف ایک انگریز ڈاکٹر کارل مسلمانوں کے جذبہ ایمانی، خیر خواہی اور اچھے گمان کی وجہ سے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کیا۔ اعظم طارق کوہستانی کی 'قصہ ایک رات کا' میں خزانے کو چھپانے کا آئیڈیا بڑا اچھا لگا۔ گل رعنا کی 'نئی جیکٹ' میں ایلین اپنی سائیکل یا نئی جیکٹ کھونے سے زیادہ اس بات پر پریشان تھا کہ اس کے والدین، اس پر بھروسہ کرنا نہ چھوڑ دیں۔ ساتھی کے سابق مدیران اور ساتھی کے پرانے خاص نمبر جان کر بہت اچھا لگا۔ مزے دار سیر (محمد طارق خان)، چاکلیٹ والا، ذرا توڑ کر دکھائیں، سکے کی کہانی، قلم سازی، دنیا کے دلچسپ و عجیب کارنامے اور واقعات اور ٹھنڈی الماری نے معلومات میں اضافہ کیا۔

طوبیٰ بنت فاروق اپنے اندر کی شاعرہ کو روکنے میں مستقل ناکام ہیں

بے ارادہ ہی اٹھ گیا ہے قلم
لکھ بیٹھے ہیں یہ خط اور نظم
کریں گے ہم بات شاعری میں ہی
بھلے روکیں آپ نہ رکیں گے ہم

ہاں جی...... کیا سمجھے......؟ ہم شاعری کے پیچھے نہیں، شاعری ہمارے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑی ہے۔ بس ایک شعر اچھلتا کودتا ذہن میں آ جاتا پھر چاہتے یا نہ چاہتے ہوئے بھی پوری نظم لکھ لیتے ہیں (ماشاء اللہ) لیکن آپ ہیں کہ اپنے پاس روک لیتے ہیں۔ کیا فائدہ......؟ پہلی دفعہ ساتھی کے خاندان کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا، تقریب رونمائی میں، جانتے تو ہم سب کو ہیں لیکن اب آپ ہمیں جان گئے ہوں گے، اب اُمید کچھ اور بندھ گئی کہ اُمید پر ہی دنیا قائم ہے' اور 'اُمید پر ہی ساتھی میں لکھنے والے ہمارے جیسے قائم ہیں۔' شریف شیوہ' کی نظمیں ہمیشہ اچھی لگتی ہیں۔ حماد بھائی نے اپنی کہانی میں ایک کردار 'طوبیٰ' کا اضافہ کیا ہے، خیر ایسے ہی کیا ہوگا لیکن ہم سمجھے شاید ہم سے متاثر ہو کر---- چلیں چھوڑیں، اب ہم اتنے خوش فہم بھی نہیں۔ کہانیاں سب اچھی ہیں۔ دسمبر میں 'راحمہ خان' نظر آئیں گی، ان شاء اللہ۔ اتنے عرصے سے کہاں غائب تھیں؟

صدیقی سیریز کی معروف قلمکار نائلہ صدیقی چالیس سالہ نمبر پر اپنا جامع تبصرہ پیش کر رہی ہیں

ساتھی کے چالیس سالہ نمبر کو تیار کرنے کے لیے جو محنت کی گئی، وہ رسالے کے ہر ورق پر نظر آ رہی ہے۔ اس کے لیے آپ کی پوری ٹیم شاباش کی مستحق ہے۔ سرورق بہت دلکش اور دلچسپ ہے۔ اندر بھی بہت سی دلچسپیاں موجود ہیں۔ کہانیوں میں رؤف پاریکھ کی کہانی بازی لے گئی۔ وہ جو کہتے ہیں کہ نام ہی کافی ہے تو رؤف پاریکھ صاحب پر یہی مثال صادق آتی ہے۔ ان کی کہانی پڑھ کر ہم بھی یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ ہمارا کیا مشغلہ ہے؟ اب آپ یہ نہ سمجھیے گا کہ ہم یہ خط آپ کو مشغلے کے طور پر لکھ رہے ہیں، دیگر تحریروں میں حماد ظہیر کی مری ایکسپریس، فیصل شہزاد کے سفر کا پہلا ٹکڑا، بھورا پاؤچ، قصہ ایک رات کا اور نیکی کا سفر خوب ہیں۔ حماد ظہیر اپنے مخصوص رنگ میں نظر آئے اور ہمارا دل بھی مری کی سیر کے لیے مچلنے لگا لیکن راستوں میں آنے والے تودوں کا خیال آتے ہی ہم نے

اپنے دل کو سنبھال لیا۔ فیصل شہزاد کی تحریر میں بھی شگفتہ رنگ غالب رہا۔ اُمید ہے کہ آئندہ آنے والے حصے اور بھی دلچسپ ہوں گے۔ بھورا پاؤچ کا مرکزی خیال بہت مضبوط ہے اور انجام بھی نہایت اثر انگیز، کیا یہ کہانی ماخوذ ہے؟ 'قصہ ایک رات کا' مصنف نے پر مزاح انداز میں موضوع پر طبع آزمائی کی ہے خصوصاً اختتام بہت دلچسپ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مزاحیہ موضوعات عام طور پر دہرائے جاتے ہیں لیکن ان کو لکھنے کا انداز انھیں ایک دوسرے سے مختلف بنا دیتا ہے۔ قصہ ایک رات کا بھی ایک ایسا ہی آئیڈیا ہے جسے اعظم طارق کوہستانی نے اپنے مخصوص 'کوہستانی' رنگ میں پیش کیا ہے۔ مریم سرفراز نے بھی خزانے کی تلاش میں ہاتھ پاؤں مارے ہیں لیکن اُنھوں نے انسانوں کے بجائے بھالو اور خرگوش کے ذریعے کام نکلوانے کی کوشش کی ہے۔ اس کہانی کا اختتام اچھا ہے۔ احمد حاطب صدیقی کی تحریر میں بچوں ہی نہیں بلکہ بڑوں کے لیے بھی سبق موجود ہے۔ بہت عرصے کے بعد حفصہ صدیقی کی تحریر دیکھ کر خوشی ہوئی۔ ویسے اس شمارے میں صدیقیوں کا تناسب اچھا خاصا ہے۔ حفصہ بہت عرصے کے بعد نمودار ہوئی ہیں اور اپنے مخصوص انداز میں ہم سب کو ایک سبق دیا ہے۔ حفصہ! اب آ گئی ہو تو آتی جاتی رہنا! صفیہ سلطانہ صدیقی (ایک اور صدیقی) نیکی کا سفر لے کر آئیں۔ حقیقت ہے کہ نیکی کا سفر کبھی نہیں رُکتا اور نیکی جہاں سے شروع کی جائے، واپس پلٹ کر وہاں تک ضرور پہنچتی ہے۔ صفیہ کی اس کہانی میں جملوں کے بے ساختگی اور شگفتگی نے مسکرانے پر مجبور کر دیا۔ مرکزی خیال تو الیاس نواز کے ڈرامے 'ڈگڈگی' کا بھی خوب ہے اور اس خیال کو الیاس نواز نے بہت چابک دستی سے ڈرامے کے روپ میں ڈھالا ہے۔ یہ ایک مختلف طرز کی تحریر ہے۔ عالیہ رحمت کی بی مانو اور اسی طرز کی تمام جانوروں والی کہانیاں چھوٹے بچوں کے لیے یقیناً پُر لطف کہانیاں ثابت ہوں گی۔ مبشر زیدی کی چنبیلی مختصر لیکن پُر اثر تحریر ہے۔ بڑے لوگوں کی بڑی باتیں یعنی کم لکھتے ہیں اور اچھا لکھتے ہیں۔ نیر کاشف کی جیب خرچ پر کیا تبصرہ کیا جائے کہ پچھلے چالیس برس میں کم از کم چالیس بار اس موضوع اور خیال پر کہانیاں چھپ چکی ہیں۔ شاید آپ نے بھی اسی خیال سے اس موضوع اور تحریر کو شامل کر لیا ہے کہ کہیں چالیس سالہ نمبر محروم نہ رہ جائے اور لوگ بھول جائیں کہ ایسی بھی کوئی کہانی ہوتی ہے جس میں بچے اپنا جیب خرچ جمع کر کے سائیکل یا گڑیا خریدنے کے بجائے ماسی، چوکیدار یا فقیر کو دے ڈالتے ہیں۔ ایک طویل عرصے کے بعد بن یامین کی تحریر نظر آئی۔ یہ ساتھی کی ٹیم کی کامیابی ہے کہ ایسے لوگوں کو جو عرصے سے ساتھی کے صفحات سے غائب تھے۔ چالیس سالہ نمبر میں شامل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ جاوید بسام 'انوکھا تحفہ' لے کر آئے ہیں۔ ابو کی پریشانی دور کرنے کے لیے بچی کو بہت انوکھا خیال آیا لیکن اگر بچی کے ابو پرانے رسالے لے کر نہ آئے ہوتے تب پھر کیا ہوتا؟ شعری حصے میں منیر احمد راشد، عنایت علی خان، عبدالرحمٰن مومن اور شام درانی کے شہ پارے پسند آئے۔

اس شمارے کی خاص بات یہ تھی کہ ساتھی کے تمام مدیران اور جن مصنفین کی تحریریں شائع ہوئیں، ان کے تعارف پیش کیے گئے۔ یہ ایک اچھا آئیڈیا تھا۔ جو لوگ اس سفر میں ساتھ رہے یا چھوٹ گئے ان سب کو یاد کرنا اور یاد رکھنا ایک اچھی روایت ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ ساتھی اپنی اچھی روایتوں کو برقرار رکھے گا۔ ساتھی کو اس منزل تک پہنچانا کسی فردِ واحد کے بس کی بات نہیں تھی اور آپ نے اپنے تمام موجودہ اور سابقہ ساتھیوں کا تعارف پیش کر کے اس بات کا اعتراف کیا جو ایک نہایت خوش آئند بات ہے۔ اس موقع پر شمعون قیصر، فریال یاور اور قاسم بن نظر جیسے لوگ بہت یاد آئے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔ اشتیاق احمد مرحوم (جن کو آج بھی مرحوم لکھنے کا دل نہیں چاہتا) بھی یاد آئے۔ ان کا تعارف شامل کر کے آپ نے اچھا کیا، اگر وہ ہوتے تو یقیناً ان کی تحریر بھی اس یادگار شمارے میں شامل ہوتی۔ بچوں کے جاسوسی ادب میں کوئی ان کی جگہ نہیں لے سکتا۔ ان کے تعارف میں صرف ایک تصحیح ضروری ہے کہ ان کا انتقال دسمبر ۲۰۱۵ء میں نہیں بلکہ نومبر ۲۰۱۵ء (۱۷ نومبر ۲۰۱۵ء) کو ہوا تھا۔ اس سال کتابوں کی یہ نمائش نومبر میں منعقد ہوئی تھی۔ مضامین میں کلیم احمد چغتائی صاحب 'فاتح قادسیہ' کی کیا تعریف کی جائے؟ بھلا استادوں کے قلم کے آگے کس کی چلتی ہے؟ تعریف کرنا گویا سورج کو چراغ دکھانا ہے۔ سب سے اچھی بات یہ کہ طرزِ تحریر بالکل سلیس اور رواں ہے۔ کہیں بھی مشکل الفاظ یا طویل جملوں کے ذریعے مضمون کو پیچیدہ یا عالمانہ رنگ دینے کی کوشش نہیں کی گئی اور یہی اس تحریر کا جوہر ہے۔ ایسی تحریریں پڑھ کر جہاں جذبہ ایمانی تازہ ہوتا ہے وہیں اپنے حال پر افسوس بھی ہوتا ہے۔ نومبر کے حوالے سے علامہ اقبال یاد آئے اور رفیع الدین ہاشمی نے اس یاد کو ایک نہایت جامع مضمون کی صورت میں پیش کر دیا۔ اس کے علاوہ سکے کی کہانی بھی ایک معلوماتی تحریر ہے۔ ارے ہاں کہانیوں میں ریحانہ صدیقی کی خاطر داریاں اور گل رعنا کا ترجمہ نئی جیکٹ خوب ہیں، تعریف کیے بنا رہا نہیں جاتا (اور اس کی وجہ آپ جانتے ہیں) محترمہ اطہر علی ہاشمی صاحب کی خدمت میں مودبانہ سلام کے ساتھ ساتھ ہمارا شکریہ بھی پہنچا دیجیے جنھوں نے ہماری ایک تحریر کو پذیرائی بخشی ہے (معلوم نہیں یہ صحیح جملہ ہے یا نہیں؟) بہر حال ان جیسے استادوں کی حوصلہ افزائی ہمارے لیے بہت معنی رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو صحت و سلامتی کے ساتھ ہم جیسوں کی رہنمائی کرتے رہنے کا موقع دے۔ آمین۔

محمد سعد احمد کو بھی خوش آمدید کہتے ہیں

ساتھی تو شوق سے پڑھا مگر اپنی نظم چالیس سالہ نمبر میں نہ پا کر بہت دکھ ہوا۔ ہم نے جلدی سے اے، سی آن کر دیا کہ کہیں غصے میں ہمارا خون جل کر ختم نہ ہو جائے۔ چالیس سالہ نمبر شاندار، جاندار تھا۔

ساتھی کی معروف قلمکار ریحانہ صدیقی بھی خطارے میں اپنا حصہ ڈال رہی ہیں

ساتھی کے زبردست چالیس سال کی تکمیل پہ اتنا ہی زبردست چالیس سالہ نمبر موصول ہوا۔ اتنے اچھے شمارے کی پیشکش پہ مبارکباد قبول کیجیے۔ سرورق بہت ہی عمدہ اور دلچسپ تھا۔ اس کے ساتھ ملنے والا سرورق پہ مبنی پزل کا تحفہ بھی خوب تھا۔ اس خاص شمارے کے لیے ساتھی کی ادارتی ٹیم نے اچھے اچھے مصنفین سے تحریر لکھوانے میں خاطر خواہ کامیابی حاصل کی۔ رؤف پاریکھ صاحب کی ہمارے مشغلے نمبر ون کہانی تھی، بلاشبہ اولین صفحات میں شائع کیے جانے کی مستحق تھی۔ بے حد دلچسپ اور رسالے کی جان ثابت ہوئی۔ اعظم طارق کوہستانی صاحب کی قصہ ایک رات کا دوسرے نمبر پہ تھی، انتہائی مزے دار صورتحال کو دلچسپ جملوں سے اجاگر کیا گیا۔ حماد ظہیر صاحب کی مری کی سیر مزے دار رہی۔ فیصل شہزاد کا سفرنامہ کہانی ایک سفر کی، پڑھ کے نہ صرف مزہ آیا بلکہ اپنا لاہور اور مری کا سفر بھی کافی یاد آیا۔ احمد عدنان طارق نے جاپانی لوک کہانی سنگ تراش کے عنوان سے لکھی۔ دلچسپ ضرور تھی لیکن لوک کہانی ہونے کی وجہ سے پڑھی پڑھی ہونے کا احساس ہوا۔ جنگل میں تارے، ضیاء اللہ محسن کی کہانی کا مرکزی خیال تو بہت انوکھا تھا کہ پرانی کہانیوں کے کردار یعنی ٹارزن، شیخ چلی اور عمرو عیار وغیرہ اب جدید دور کی دوڑ بھاگ میں کہیں کھو گئے ہیں لیکن اس میں کہانی بے حد مختصر رہی۔ مثال کے طور پہ لکھا ہے۔ پھر ٹارزن، شیخ چلی اور عمرو عیار میں مزے مزے کی باتیں ہوتی رہیں۔ لیکن قارئین کو ان مزے مزے کی باتوں کی کانوں کان خبر نہ ہونے دی گئی۔ قانتہ رابعہ کی نام کے عنوان سے کہانی اس لحاظ سے کچھ کھٹکی کہ وہ دو موضوعات کو ایک ساتھ لے آئیں۔ کہانی کا آغاز نام بگاڑنے کی عادت پہ بحث سے ہوا۔ یہ اپنی جگہ ایک بہت اہم موضوع ہے۔ لیکن آگے چل کے ویڈیو بننے اور ڈیلیٹ کرنے والا نکتہ پیش کیا گیا جو ایک علیحدہ موضوع ہے کہ اللہ کسی سی سی ٹی وی کی طرح ہم سب کو مانیٹر کر رہا ہے۔ کہانی سمیٹتے ہوئے مصنفہ نام بگاڑنے کی عادت کی قسم پہ واپس آ گئی ہیں۔ عافیہ رحمت کی بی مانو اور غلام مصطفیٰ سولنگی کی لال چڑیا، مریم سرفراز کی خزانے کی تلاش چھوٹے بچوں کے لیے اچھی کہانیاں تھیں۔ آپ لوگوں نے اتنے عرصے بعد صفیہ سلطانہ صدیقی، حفصہ صدیقی اور بن یامین سے لکھوا کے بہت اچھا کام کیا ہے۔ تینوں اپنے اپنے رنگ میں اچھے رہے اور اچھے سبق دے گئے۔ خاص کر بن یامین کی کہانی ہمیں بہت پسند آئی، واقعی ہم مہنگے فون اور کپڑے تو خرید لیتے ہیں لیکن کسی کی مدد کرتے ہوئے ہمیں ہر رقم بڑی بھاری لگتی ہے۔ مزے دار سیر، محمد طارق خان اگر تھوڑی مختصر ہوتی تو اچھی رہتی، اتنے سارے پرندے دیکھتے دیکھتے ہماری ٹانگیں تھک گئیں۔ ہمارا مطلب آنکھیں۔ فاطمہ نور صدیقی کی بھورا پاؤچ بہت انوکھی اور مزے دار تھی لیکن اس کا مرکزی خیال غالباً کسی انگریزی کہانی سے ماخوذ تھا۔ تاہم کہانی اپنی جگہ بہت دلچسپ اور مربوط تھی۔ مبشر علی زیدی کی چنبیلی بہت عمدہ رہی۔ کلیم چغتائی صاحب کا مضمون فاتح قادسیہ بیحد متاثر کن تھا۔ جسے پڑھ کے بے ساختہ احساس ہوا کہ ہم بحیثیت ایک قوم کیا سے کیا ہو گئے ہیں۔ قاتل کون؟ فوزیہ خلیل کی کہانی ہے۔ یہ ہم نے دو تین بار غور سے دیکھا۔ کیونکہ فوزیہ خلیل کا اپنا ایک انداز ہے جو ہمیں بہت پسند ہے لیکن اس بار جانے کیوں؟ اُنھوں نے اپنا انداز چھوڑ کے اشتیاق احمد مرحوم کے انداز تحریر میں لکھنے کی کوشش کی ہے۔ حتیٰ کہ چند جملے دو دھک سے رہ گیا، جھکڑیوں کا جوڑا مجرم کی طرف بڑھنے لگا، بلکہ اشتیاق صاحب سے متاثر ہو کر لکھے گئے ہیں۔ جبکہ مقتول کی انگلی کو خون میں ڈبو کے کسی اور کا نام لکھوانے کا بھی ہم نے ان ہی کے ناولوں میں پڑھا ہے۔ شاید فوزیہ خلیل صاحبہ نے اس خاص شمارے میں منہ کا ذائقہ بدلنے کو یہ کہانی لکھی ہے۔ موٹر سائیکل اور ہم، معروف احمد چشتی کی مزے دار تو ہے لیکن بے حد مختصر، اگر ماموں جان کا ردعمل بھی دکھایا جاتا تو مزہ رہتا۔ نظمیں شاعری کی ساری جاندار ہیں۔ خاص کر منیر احمد راشد صاحب کی نظم اول نمبر پہ رہی۔ لطائف بھی چالیس سالہ نمبر کے حساب سے تھے یعنی زیادہ نہیں، صرف چالیس سال پرانے۔ جن پہ ہمارے آبا و اجداد ہنس کے اپنا فرض نبھا چکے ہیں۔ لطائف کے سلسلے میں ایک مشورہ یہ ہے کہ اُردو ادب میں بے شمار مزے دار اور صاف ستھرے مزاح نگار گزرے ہیں، جن کا مزاح بچوں کے حساب سے بہت مناسب ہے۔ مثال کے طور پر شفیق الرحمٰن، ابن انشا، محمد خالد اختر، ان کی ہلکی پھلکی تحریریں ان صفحات میں قسط وار دی جا سکتی ہیں اور نئی نسل کو ہنسانے کا اہتمام کیا جا سکتا ہے۔ ہنسی ہنسی میں یہ ہمارے اُردو ادب کے ان شاہکار ادیبوں کی زبان و بیان سے بھی متعارف ہوتے چلیں گے اور جب جماعت دہم (میٹرک) میں شفیق الرحمٰن یا ابن انشا پہ سوالات آئیں گے تو بہتر جوابات لکھ پائیں گے۔ اسی پہ یاد آیا، ہماری ایک بہن ایک انگریزی اسکول میں آٹھویں سے بارہویں کلاس تک کو اُردو پڑھاتی ہیں۔ آٹھویں جماعت کے بچوں کو علامہ اقبال کی نظم پڑھاتے ہوئے سمجھایا گیا کہ شاہین ایک شکاری پرندہ ہے۔ امتحان میں سوال آیا۔ شاہین ایک کیسا پرندہ ہے؟ آٹھویں جماعت کے بچے نے گڑبڑا کے لکھا۔ شاہین ایک شادی شدہ پرندہ ہے۔ یہ تو حال ہے ہمارے انگریزی کے مارے ہوئے بچوں کا۔ تو اسی لیے ہماری تجویز ہے کہ شفیق الرحمٰن کی پرواز، ابن انشا کی اردو کی آخری کتاب، عصمت چغتائی کی تین اناڑی، قرۃ العین حیدر کا بچوں کے ناول کا ترجمہ بعنوان خیالی پلاؤ۔ یہ سب ان صفحات پہ شائع کرنے کے لیے بہترین انتخاب ثابت ہوں گے۔ کیا کہا آپ نے؟ لطائف کے ذریعے قاری بچوں کی شمولیت ہو جاتی ہے، وہ کیسے ہو گی؟ جی ! ہم نے سن لیا۔ اس کا حل یہ ہے کہ بچے خود، اُردو ادب کی مختلف اچھی کتابوں کے اقتباسات ارسال کریں جو اس مصنف اور ارسال کرنے والے بچے کے نام سے شائع کیے جائیں۔ اس طرح بچوں میں عمدہ اردو ادب پڑھنے، اچھی چیز چننے اور سمجھ کے پڑھنے کا ذوق پروان چڑھے گا۔ کچھ عرصے لطائف کا سیکشن بند رکھنے کا نتیجہ شاید یہ بھی نکلے کہ اس دوران اچھے لطائف کی پیداوار شروع ہو جائے۔ چالیس سالہ نمبر میں ساتھی کے مدیران اور مصنفین کا تعارف بہت اچھا رہا۔ بہت سے لوگوں سے غائبانہ ملاقات ہوئی۔ کہانیوں کی تعداد زیادہ تھی اس لیے بہت مزہ آیا۔ یہ مزہ الف سے آتا ہے یا ہ سے؟ ہمارے جیسے مست، اُردو سے بیگانہ لوگوں کو تو دونوں ہی سے آ جاتا ہے۔ اطہر ہاشمی صاحب کا مضمون اُردو زباں ہماری ہمیشہ کی طرح دلچسپ اور معلومات سے بھرپور رہا۔ گل رعنا صدیقی کی نئی جیکٹ مزے دار ترجمہ تھی۔ ان کے تعارف سے تسلی نہیں ہوئی کہ ہم انہیں شاید ان سے بھی زیادہ جانتے ہیں۔ ہماری بونگی سی کہانی شائع کرنے کا بے حد شکریہ۔ چالیس سالہ نمبر کے تمام اسکیچز بہت عمدہ اور محنت سے بنائے گئے تھے۔ ساتھی کی پہیلی بھی اچھی رہی اور بارکیٹنگ ٹیم کی محنت واضح طور پر نظر آئی۔ کچھ عرصہ قبل ہم نے پینا ڈول کا اشتہار بنایا تھا۔ اب اس پینا ڈول کے کھانے کا وقت ہوا چاہتا ہے مدیر صاحب کے لیے۔ اس لیے ہم اجازت چاہیں گے۔

☆ بھورا پاؤڈر طبع زاد کہانی ہے۔

سعودی عرب سے زمانہ عمر کی بھی پرواز آ چکی ہے

سلام کے بعد عرض ہے کہ ہم دیار غیر میں رہنے والوں کو ساتھی ماہ کی بیس تاریخ کے بعد ہی ملتا ہے۔ اس بار تجسس کو ملا۔ اپنی کہانی کے چھپنے کی خبریں مل چکی تھیں۔ سو ساتھی کو ہاتھوں میں پکڑنے کے لیے جی بے چین تھا۔ رسالوں کا پیکٹ گھر آیا تو ہم سے پہلے بیٹی ہبہ نے جھپٹا اور پزل کو دیکھ کر ایک خوشگوار چیخ ماری۔ وہ تو فٹ پزل جوڑنے میں لگ گئیں اور ہم ورق گردانی میں۔ سچ بتائیں تو اپنی کہانی چھپی ہوئی دیکھ کر اتنی ہی خوشی ہوتی ہے جتنی لڑکپن میں ہوتی یعنی اگر ہماری کہانی ہمارے لڑکپن میں چھپتی تو۔ سرورق تو شاندار ہے ہی پزل کا آئیڈیا بہت خوب۔ شوخ رنگ بچوں میں خوشی کا احساس پیدا کرتے ہیں۔ دل پہ دستک...... ثقیل اور خشک سا تھا۔ اقبال کو بچوں کے لیے آسان بنائیے مشکل نہیں۔ وہ بچوں کے شاعر بھی تھے ان کی بچوں والی نظمیں نمایاں کیجیے۔ ہر کہانی کے ساتھ کہانی نویس کا تعارف بڑا ہی بھلا لگا کیوں کہ بہت مشہور رائٹرز کے بارے میں بھی ہم پہلے کچھ نہ جانتے تھے اب جان کر خوشی ہوئی۔ ہمارے مشغلے پرانے وقتوں کے مشغلوں سے متعلق تھی مگر مزے دار اور برجستہ جملے۔ الکی پھلکی بچکانہ انداز میں لکھی گئی مزیدار کہانی۔ فاتح قادسیہ بہترین اور بھرپور معلومات کے ساتھ حضرت سعد سے عقیدت کے جذبے سے لکھی گئی۔ السلام علیکم میری نو سالہ بیٹی ہبہ کی پسندیدہ کہانی ثابت ہوئی اور اب وہ گھر آ کر السلام علیکم ورحمت اللہ وبرکاتہ کہنے لگی ہیں۔ شکریہ احمد حاطب بھائی۔ تصویری کہانی مزیدار سیر سے بھی ہماری ہبہ نے سیر کے مزے لیے اور یہ تبصرہ دیا کہ یہ والا ساتھی بہت اچھا ہے۔ اس بار کے لطیفے اس قدر 'ادبی' کیوں تھے؟ کہ بچوں کے سر پہ سے ہی گزر جائیں۔ لال چڑیا خوب صورت معصوم کہانی تھی۔ بچوں کے مزاج کے مطابق۔ میری گڑیا کو یہ بھی بہت پسند آئی۔ 'نام' کہانی میں قانتہ رابعہ نے پیغام اچھا دیا مگر انداز میں بے ساختگی کی کمی تھی۔ بچہ ایسی بڑی بڑی نصیحتیں کرتا ہضم نہیں ہوتا۔ کوشش کریں کہ بچوں کی سطح پر آ کر لکھیں۔ 'جنگل میں تارے' تو کمال کی تھی۔ مشرق و مغرب کے کرداروں کو اکٹھا کر دیا اور پھر موجودہ زمانے سے جوڑا۔ بہت خوب کہانی ایک سفر کی مجھے تو بہت پسند آئی اور جس طرح منظر کشی کی گئی وہ بھی خوب مگر سوال یہ ہے کہ اتنی کارمی باتیں بچوں کے رسالے کے لیے کیوں لکھی گئیں؟ خیر ہو سکتا ہے آگے چل کر دلچسپ ہو جائے سو صبر کے ساتھ پڑھنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ حماد ظہیر نے حسب سابق مری ایکسپریس کی سیر کرا کے رونگٹے کھڑے کر دیے۔ وین کے آگے تو دہ گرنے کی کیا منظر کشی ہے گویا آنکھوں کے سامنے آ گیا۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔ انجام بھی غیر متوقع تھا ہم پڑھ کر بہت محظوظ ہوئے۔ ٹن ٹن ٹن پر اب کیا کہیں بس جی شرم سی آ رہی ہے۔ اب اپنے منہ میاں مٹھو بننا کوئی شرافت تو نہیں۔ اسی لیے چپ ہیں۔ ویسے سچ کہیں تو اپنا تعارف پڑھ کر خود ہماری ہم سے ملاقات ہو گئی۔ ہمیں تو علم ہی نہیں تھا کہ ہم جذبات کیفیات احساسات وغیرہ وغیرہ کو بیان کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ خود کی اس دریافت پر ہم ساتھی کے بے انتہا شکر گزار ہیں۔ یہ تو ہماری زندگی کی سچی کہانی تھی جو من وعن بیان کر دی بنا مرچ مسالے کے۔ 'بی ماٹو' میں عافیہ نے معصومیت کے ساتھ بہت ہی پیارا پیغام دیا۔ میرے خیال میں یہ کہانی ایک ماڈل کہانی کہلوائی جا سکتی ہے پانچ سات سال سے دس سال تک کے بچوں کے لیے۔ 'خاطر داریاں' میں بینا نے پھر معاشرے کی بدلتی قدروں کا رونا رویا مگر ایسے سلیقے سے رویا کہ قاری کو پیغام بھی دے گئیں۔ شاباش بینا جیتی رہیے۔ خزانے کی تلاش اچھی کہانی تھی۔ لیکن اختتامیہ اداسی والا تھا۔ اب لکھنا شروع کیا ہے تو خود مجھے یہ احساس ہوا ہے کہ بچے کو آخر تک لاتے لاتے خوش کرنا چاہیے غمگین نہیں۔ اگرچہ میری اپنی کہانی بھی اداسی پر ہی ختم ہوئی تھی لیکن آئندہ کوشش کروں گی کہ امید پر بات ختم ہو۔ 'نیکی کا سفر' غضب کی تھی۔ تجسس، کرداروں کی پختگی، پیغام، بانکا پن سب کچھ ہی تھا۔ اس تحریر میں اور پھر زبردست کلائمکس پر اختتام۔۔ صفیہ کے لکھنے کی کیا ہی بات ہے۔ 'انوکھا تحفہ' چالیس سالہ نمبر کی جان تھی۔ آئیڈیا ہمیشہ کی طرح انوکھا اور خوبصورت الفاظ سے اختتام کیا گیا۔ بچپن کی یاد کس طرح ہشاش بشاش کر دیتی ہے۔ جیب خرچ، میں نیر کاشف نے نیکی کا راستہ دکھایا۔ لیکن ایک بات کی کمی لگی کہ بچوں کی کہانی میں تجسس اور دلچسپی کا عنصر از حد ضروری ہے۔ متوقع انجام سے بوریت ہو جاتی ہے۔ 'قاتل کون' شاندار جاسوسی کہانی تھی۔ غیر متوقع بھی تھی اور ہر لمحہ موڑ لے رہی تھی۔ اشتیاق احمد مرحوم کی یاد آ گئی۔ اللھم اغفر لہ۔ آخر میں 'بڑا آدمی' اس میں بہت گہرا پیغام تھا اور تجسس کا عنصر بھی موجود تھا۔ مجھے تو بہت مزے دار لگی۔ چالیس سالہ نمبر کی خاص بات اس میں تمام مدیران کے زمانوں کی تاریخ اور ان کے دور کے ساتھی کے عکس بھی تھے۔ میں نے تمام پڑھے۔ بہت ہی معلوماتی تھے۔ اور آپ کی ٹیم کی بھرپور محنت کا منہ بولتا ثبوت تھے۔ اللہ ہمارے ساتھی کو ایسے ہی تازہ دم، جدت پسند، دوربین، محنتی، علم کے متوالے، امت کے لعل و جواہر جیسے مدیران کی ٹیم دیتا رہے تاکہ نئے پرانوں کی جگہ لیتے رہیں اور یہ دریا بہتا رہے۔ آمین۔

سید معاذ جاوید لکھتے ہیں

ہاف ٹائم میں ہم نے نومبر کا ساتھی پڑھنے کے لیے بیگ سے نکالا تو سبھی دوستوں نے مل کر چالیس سالہ نمبر کے مزے لوٹے، میری کلاس ٹیچر بھی ساتھی سے متعارف ہیں اور میری ماہم آپی اور رمشا آپی کی کہانیاں شوق سے پڑھتی ہیں۔ ساتھی کے چالیس سالہ نمبر پر اتنا کہوں گا۔ "اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو بچوں کے ادب کے لیے تا دیر صحت مند رکھے۔۔۔!" میں نے ساتھی میں تین، چار کہانیاں ہی پڑھی ہیں کیوں کہ میرے پیپرز ہو رہے ہیں۔ گیمز الحمدللہ سارے کھیل چکا ہوں۔ پزل کا تحفہ بھی بہت پسند آیا۔ اس میں ٹیچر کو اُلجھا کر کہانیاں پڑھنے کا موقع مل جاتا ہے۔

☆ بڑے چالاک ہیں آپ۔